ناولٹ

خضرِ حیات

عالیہ حرا

زریاب علی نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس نے یہاں نہیں رہنا تو نہیں رہنا۔

''ٹھیک ہے۔'' سمیعہ نے بھی سر جھکا دیا۔ اس نے بھی جرح کرنے کے لیے یہ شادی نہیں کی تھی اور وہ کرتی بھی کیوں؟

''مگر میرے خیال میں زریاب تمہیں اس گھر میں رہنا چاہیے۔ اتنا بڑا گھر کس کے رحم و کرم پر چھوڑ دو گے؟'' زریاب کے والد علی اصغر نے سگار کا پائپ منہ

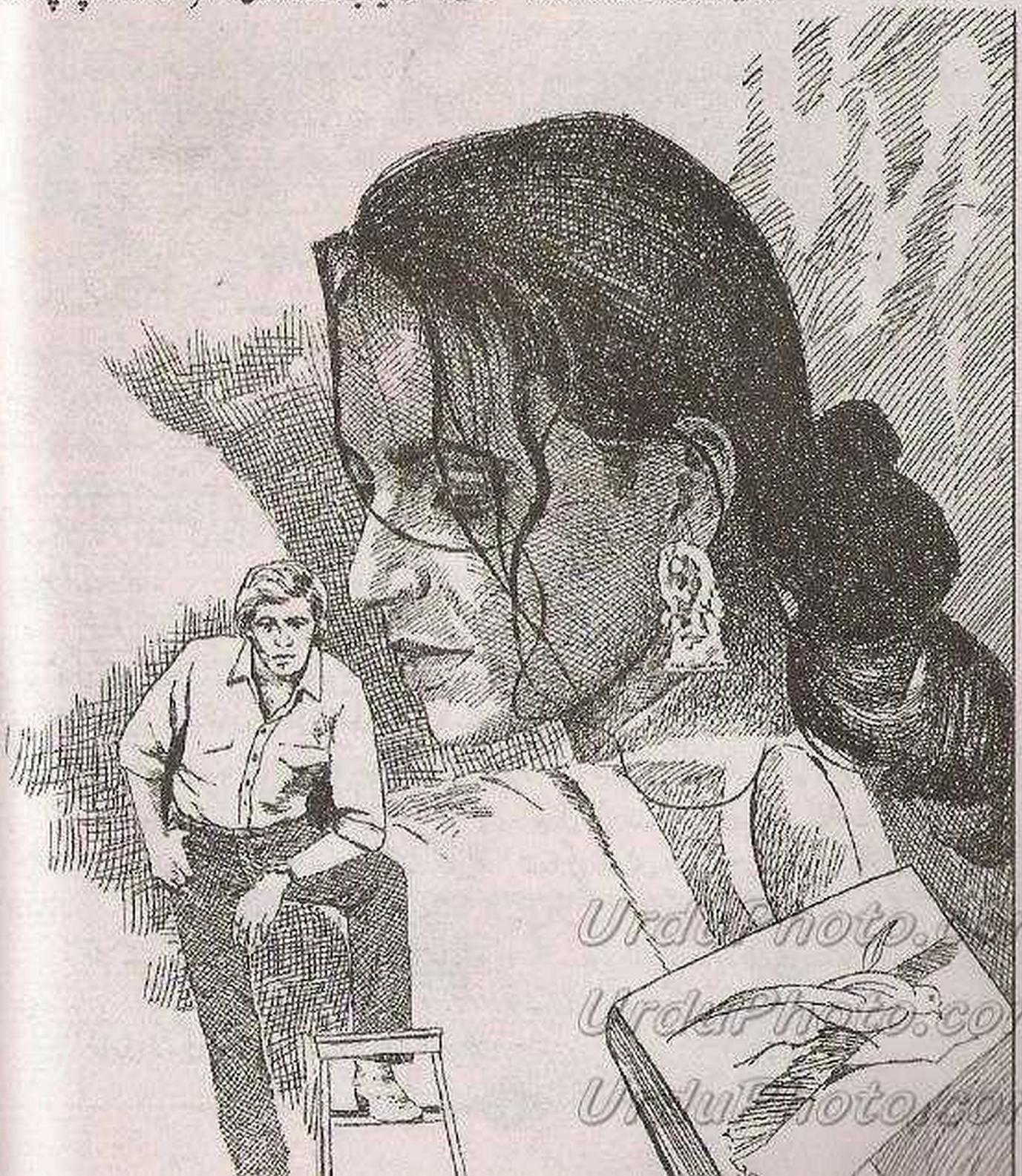

UrduPhoto.com

سے نکال کر دیکھا۔

''پاپا میرا لندن میں اپارٹمنٹ ہے۔ وہاں میری پُرکشش جاب ہے پھر میں آتا جاتا رہوں گا۔ مستقل رہائش تو نہیں ہوگی جب مناسب سمجھوں گا یا پھر جب سمیعہ کی مرضی ہوگی یہاں آنے کی بھجوا دوں گا؟'' محبت سے زریاب نے سمیعہ کو دیکھا جو کاؤچ پر بیٹھی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ یہ اس کی اضطرابی کیفیت کا مخصوص انداز تھا۔ اگر فی الوقت سائرہ علی کمرے میں ہوتیں تو اس سیمابی کیفیت کو جان جاتیں اور حالِ دل ان پر ظاہر ہو جاتا مگر سمیعہ زریاب علی نے عہد کرلیا تھا کہ منہ سے اک لفظ نہیں کہنا۔ شکوہ کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''پاگل ہو برخوردار یہاں اکیلی کس طرح سے رہے گی وہ؟''

''بالکل اسی طرح جس طرح سے میں نے اپنا بچپن ان در و دیوار کے سنگ اکیلے بتایا ہے۔ یہ دیواریں میری ساتھی ہیں۔ کیسا اکیلا، اداس، تنہا اور خوفزدہ بچپن گزرا ہے میرا۔'' اِک نگاہ اطراف میں ڈالی۔

''یہ تو بعد کے مسئلے ہیں۔ سمیعہ اکیلی آتی ہے یا نہیں ..... کیوں سمیعہ.....!'' اس کے پہلو میں بیٹھ کر شانے سے اس کے شانے کو ٹہوکا دیا۔ چہرے پر ذومعنی شریر سی مسکراہٹ۔ ایک لب کاٹا۔ وہ ایک محبت کرنے والے کا دلفریب عکس لگا۔ اندر آتی سائرہ علی کے دل میں اطمینان اتر گیا۔ اس بانکے سجیلے داماد کے ساتھ ان کی بیٹی خوش رہے گی ..... بلکہ خوش ہے۔ خوف کا اثر آہستہ آہستہ زائل ہو رہا تھا۔

''ایک وقت میں ایک شخص بیک وقت دو کردار کیسے نبھا سکتا ہے۔ دل جلانے والا اور دل بہلانے والا۔''

سمیعہ زریاب ایک مسکراتی نگاہ سر گھما کر اپنے نصف بہتر کو دیکھتے ہوئے یکدم سوچ کر رہ گئی۔ ماں کی آہٹ سن کر نظروں کا زاویہ درست کیا۔

''بالکل اسی طرح سے، جس طرح سے تم سمیعہ! تم نبھا رہی ہو تمہارا دل جل رہا ہے، تم مسکرا رہی ہو، تمہارا وجود ان دیکھی آگ کی جانب بڑھ رہا ہے اور تمہیں اس آگ میں کودنا ہے، جل مرنا ہے اور کچھ نہیں کہنا، حرفِ شکایت، حرفِ بیاں، نہ حرفِ شکوہ۔

''بہرحال.....!'' علی اصغر نے سگار کے پائپ میں تمباکو بھرا۔ ''مجھے تمہارا یہ اقدام اچھا نہیں لگا کہ تم بھی یہاں سے رختِ سفر باندھو۔ میری مجبوری ہے میں سفیر پاکستان ہوں۔ مجھے ملک ملک گھومنا پڑتا ہے۔ یہ گھر بہت عرصے سے خالی، بے آباد ہے۔ زریاب میں چاہتا ہوں کہ تم اسی گھر کو آباد کردو۔ تمہارے بچوں کی ہنسی اور قہقہے یہاں گونجیں اور چند سالوں میں جب میں یہاں مستقل آباد ہونے آؤں، یہاں رہوں تو سناٹا میرا استقبال نہ کرے۔'' انہوں نے گداز لہجے میں کہا۔

''تمہاری شادی میں نے کی ہی اس لیے ہے۔''

علی اصغر نے زریاب کو محبت سے دیکھا۔

''اوہو..... بابا'' وہ محبت سے اٹھ کر ان کی جانب بڑھا۔ (محبت کا اعتماد دے کر ہی تو سارے دکھوں، غموں کا حساب کرنا تھا) ان کے پہلو میں بیٹھا۔ ''میرے پاس بھی تو یہ چند سال ہی ہیں۔ آخر تو آنا اپنے وطن ہی ہے۔ آپ بے فکر رہیں جب آپ پاکستان آئیں گے تو آپ سے پہلے میں یہاں موجود ہوں گا۔'' اس گھر کو آباد رکھوں گا۔'' زریاب نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

سائرہ علی اتنے تابعدار، فرمانبردار داماد کو فخر و سرور کی کیفیت میں دیکھ رہی تھیں (گویا ان کا فیصلہ برا نہیں تھا۔ فیصلے سے پہلے کی کیفیت خوفزدہ کرنے والی ہوتی ہے اور شاید یہ ہر ماں کے ساتھ ہوتی ہے) سر گھما کر سمیعہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں اک الوہی سی چمک تھی جو بڑے ریلیکس سے انداز میں کشن گود میں رکھے صوفے سے ٹیک لگائے باپ بیٹے کے محبت بھرے انداز کو دیکھ رہی تھی۔ اک اطمینان سا انہیں اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔ ان کا فیصلہ غلط نہیں ہے۔ سمیعہ نے ماں کی نگاہ کو خود پر مرتکز دیکھ کر سر گھما کر ماں کو دیکھا اور مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ ماں کو مطمئن بھی تو کرنا تھا۔ درد و کرب کے ساگر تو اس کے وجود کا حصہ تھے ماں کو کیسے پریشان کردیتی۔ اک عمر کے بعد تو وہ اس کی جانب سے مطمئن ہوئی تھیں اس کی فکر سے آزاد ہوئی تھیں اور شاید محفوظ اور مامون ہاتھوں میں دے کر اک عمر کے بعد

ں ہو کر سوئی ہوں۔ دفعتاً اس کے ہاتھ سے انگوٹھی
ں کارپٹ پر گری۔ یہ انگوٹھی اسے شادی کے اولین
ں میں شبِ زفاف کے سنہرے ماحول اور کسیلے لمحوں
ں زریاب نے انتہائی کدورت، تنفر اور نخوت بھرے
ں میں پہنائی تھی۔ جھک کر ڈائمنڈ کا رنگ سرخ
ین پر سے اٹھایا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس
دکھ بھری زندگی کے بعد ایک اور اذیت ناک، دکھ
ی زندگی کا آغاز۔

''بہت خوبصورت رنگ ہے۔'' ماما اس کے پہلو
ھکیں۔ باپ کو مطمئن کرتا زریاب دونوں ماں، بیٹی
دیکھ رہا تھا۔ ماں کے چہرے پر اک اطمینان بھری
راہٹ تھی اور سمیعہ کا چہرہ انگوٹھی کے ہیرے کی چمک
خیرہ ہو رہا تھا۔ وہ اسی تاک میں بھی رہتا تھا کہ سمیعہ
ک لفظ بھی ماں سے کہہ نہ پائے۔ وگرنہ اس کا آتشِ
قام اس کا آئندہ کا لائحہ عمل، پلاننگ سب تلپٹ ہو
ا۔ اسے انعکاس کا راستہ درکار تھا۔ وگرنہ وہ مر جائے
گا۔

''تم خوش ہو نا؟'' ماں نے سرگوشی میں پوچھا۔
''جی.....!'' سمیعہ نے سرعت سے یوں سر ہلایا
ک لمحہ بھر کی دیر اس کی ذات کو طشت عام نہ کر دے
ں کی نگاہوں میں اور اب وہ اپنی ماں کو اپنی جانب سے
ی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ اک عمر انہوں نے دکھ سہا
تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ سجا کر سمیعہ نے مسکرا کر ڈائمنڈ
ی رنگ انگلی میں پہن لی۔

ماں اپنی عمر کا ورثہ بیٹی کو ہی تو منتقل کرتی ہے تو
ے بھی اب ہونٹوں پر مسکان سجا کر دکھ سہنا تھا۔ کچھ
ں کہنا تھا۔ دھیرے سے انگلیاں پھیلا کر لو رنگ کو
کھا جو اس کی سپید مخروطی انگلیوں میں سج گئی تھا۔ دکھ کا
ے اختیار اک خیال آیا۔ اس ہالے سے اسے اب
ں نکلنا تھا۔

اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

سائرہ علی نے ہتھیلیوں کی اوک میں چہرہ تھام کر
پیشانی چوم لی۔

''زریاب بہت نائس و نفیس لڑکا ہے، اس کی قدر
کرنا، اس کا ہر حکم ماننا، اس کی دلجوئی کرنا، اس سے محبت
کرنا سمیعہ! ہیرا ہے یہ۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' سمیعہ نے دھیرے
سے ماں کی ہتھیلیوں کو چوم لیا۔ وہ مسکرا کر کینہ توز نظروں
سے ماں بیٹی کی عاشقی دیکھ رہا تھا اور باپ بیٹے کی محبت کو
وہ سرور بھرے انداز میں دیکھ رہی تھی (بہتری کی جانب
ایک قدم)

''ٹھیک ہے.....!'' سمیعہ سسر کی آواز کی جانب
متوجہ ہوئی۔ ''مگر اپنا وعدہ یاد رکھنا۔'' سگار سے اشارہ
کیا۔

''بالکل پاپا! سرِ تسلیم خم کیا۔ ''بس اتنے سال کہ
جتنے آپ کو درکار ہیں۔ میرا وعدہ ہے کہ ہم لوگ ایک
ساتھ ہی آئیں گے۔''

''اور سمیعہ بچے!'' اب وہ اس کی جانب متوجہ
ہوئے۔ ''اس گدھے سے تمہیں کوئی شکایت، کوئی شکوہ
ہو تو تم فوراً مجھے فون کرنا اس کی باگیں کس دوں گا۔''
محبت سے بہو کو دیکھا۔ وہ شرمیلی سی نگاہ ان پر ڈال کر رہ
گئی۔

''اور برخوردار!'' سر گھما کر زریاب کو دیکھا۔
''لندن جا کر روزگار کی مصروفیات میں میری بہو کو بھول
مت جانا، پورے لندن کی سیر کروانا۔'' حکم نامہ جاری
کیا۔ اک بار پھر زریاب مسکرا کر سر جھکانے لگا۔ سائرہ
علی تو نثار ہو، ہو جا رہی تھیں۔

''کب کی فلائٹ ہے؟''
''میرا تو کام تیار ہے بس سمیعہ کا کام کروانا ہے،
پاسپورٹ بنوا کر ویزا لگوانا ہے، پاسپورٹ دو چار روز
میں بس آنے والا ہے پھر ویزا! اور آپ کب جا رہے
ہیں؟''

''اگلے ہفتے..... وہاں زین اور جنید بہت اداس
ہو رہے ہیں۔ گڑیا تو بس ہر وقت روتی رہتی ہے۔ ان
لوگوں کے اے لیول اور او لیول کے ایگزام نہ ہوتے تو
لے آتے۔ لاتے تو سال ضائع ہوتا۔'' علی اصغر بتانے
لگے۔

UrduPhoto.com

''میں تو یہاں سرکاری کام سے آیا تھا۔ اتفاق سے تم بھی آ گئے اور ملاقات ہو گئی۔ وگرنہ آج کتنے سالوں بعد ہم لوگ ملے ہیں۔'' زریاب سر جھکا کر نخوت سے مسکرا دیا۔ یہ بھی میری پلاننگ کا حصہ ہے بابا، میں نے بہت عرصہ صبر کیا ہے مگر اب نہیں۔

''ہماری زندگی میں بہو کا اضافہ ہونا تھا اس لیے بھی شاید ہم لوگ ملے ہیں۔'' محبت سے سمیعہ کو دیکھا جو اس سے اعلیٰ ظرفی کے بلند مقام پر تھی۔ سائرہ علی پر نگاہ ڈالی جو سرخروئی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''آج کھانا ملے گا یا نہیں.....؟''

''ضرور، ضرور ملے گا..... آپ کی باتیں ختم ہوں تو لگواؤں۔'' مسکراتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئیں۔

''امی..... آپ بیٹھیں میں لگوا لیتی ہوں۔'' سمیعہ کھڑی ہو گئی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے جاؤ بہو تم لگواؤ۔ اس کے بعد بہت اچھی سی چائے پلوانا..... خوشبو دار..... ہم بھی تو بہو کی خدمت کے مزے لیں پھر تو برخوردار سے جانے کب ملنا ہوگا۔'' علی اصغر نے خوش دلی سے کہا۔

ملنا جلنا رہے گا پاپا، بے فکر رہیں۔ آپ نہ سہی میں آؤں گا یو کے۔ اسی بہانے آپ کے خرچے پر امریکا بھی دیکھ لیں گے۔ کیوں سمیعہ!'' بڑے ہی لگاوٹ بھرے انداز میں سمیعہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''ہا..... ہا..... ہا!'' علی اصغر کا قہقہہ بڑا طویل اور جاندار تھا۔ بچے تم لوگ آؤ تو سہی، ہم لوگ تمہارے ساتھ لندن دیکھنے آئیں گے، پھر.....'' اب کے زریاب کا قہقہہ زبردست تھا۔

''با..... با' یو چیٹ.....'' زریاب نے احتجاجاً کہا۔

''ہا..... ہا..... ہا'' علی اصغر نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔ کمرے کا ماحول من پسند، خوابناک انگیز اور خوشگوار افسانویت لیے ہوئے تھا۔ یہ لمحے سمیعہ کے دل میں ترازو ہو گئے۔ دھیرے سے جاتے جاتے بھرپور محبوبیت بھری نگاہ زریاب پر ڈالی۔ اس موڈ، اس انداز میں پہلی بار نظر آیا تھا۔ کھلتا ہوا گلاب صرف نرم و نازک لڑکیاں ہی نہیں لگا کرتیں بھرپور مردانگی میں بھی اس کا عکس نظر آتا ہے۔ باہر نکلی..... آنکھیں بند کر کے ٹھہری۔ اِک گہرا سانس لیا اور اس مسحور کن منظر کو دل کے ایوان میں سجا لیا۔ جانے پھر کب دیکھنا ہو۔ دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور قدم کچن کی جانب بڑھا دیے۔

چھپا ہے دل میں جو احساس وہ بے بہا دے دوں
تجھے میں اپنی عقیدت کی انتہا دے دوں

❋❋❋

''کیا بات کر رہی تھیں تم اپنی ماں سے راز و نیاز کی.....؟'' اپنے بیڈ روم کے جلوت بھرے ماحول میں آتے ہی خلوت میں زریاب نے تنفرانہ انداز میں سمیعہ کو دیکھا۔ اپنی جیولری اتارتے ہوئے ترچھی نگاہ سے بہا کے کراؤن سے ٹیک لگائے اسموکنگ کے دھوئیں سے کھیلتے زریاب کو دیکھا۔

''وہی جو ایک ماں کو مطمئن کرنے کے لیے ایک بیٹی کر سکتی ہے۔''

''انہیں مطمئن کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ ابھی تک مطمئن نہیں ہوئیں اتنا ڈیشنگ، ویل ایجوکیٹڈ، ویل آف اور ویل کلاس داماد پا کر۔'' سمیعہ کے متحرک ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔

''اور کس اطمینان کی ضرورت ہے..... کیا نظرِ کرم کہیں اور بھی تھی ان کی۔ یا..... تمہاری!'' سمیعہ جھٹکے سے پلٹی۔

اِک نیا کچوکا.....! زریاب ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے لائٹر سے کھیل رہا تھا۔

''میں کبھی خوش فہمی کا شکار نہیں رہی۔ میری ماں کا فیصلہ میرے لیے مقدم تھا۔ ہاں اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔'' پُرخلوص انداز سے مسکرا کر اسے دیکھا..... لمحے بھر کو زریاب چونک گیا۔

''زیادتی..... اور زریاب کے ساتھ..... تو بہت ہوئی ہیں مگر..... وہ دور بے بسی و بے کسی کا تھا۔ اب تو زریاب کی گرد کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

اس کے ہونٹوں پر زہر آلود مسکراہٹ تھی اور یہ

...اہٹ سمیعہ کے وجود کو خوفزدہ کر دیتی تھی۔ اس کے وجود ...ک سرد سی لہر اتر گئی۔ دھیرے سے رخ پھیر لیا۔

"اب تو ساری زیادتیوں کا بدلہ سود کے ساتھ ...ا وقت آیا ہے۔" اس کا دھیما سا رگوں کو منجمد کر ...ے والا لہجہ۔ بے اختیار نگاہ قد آور آئینے کی جانب ...ی۔ وہ لائٹر جلا بجھا رہا تھا۔ شعلے کا رقص اس کے چہرے ...ہرا رہا تھا۔ اس سے وہ کہیں سے نفیس، شائستہ انسان ...یں لگ رہا تھا بلکہ زہر میں ڈوبا ایسا تیر لگ رہا تھا جو کمان سے نکلنے کو بے تاب ہو مگر......! وہ دھیرے سے ...یسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

زندگی اس شخص کے ساتھ کیسے گزرے گی۔ وہ زریاب کی بیوی تھی اور اس سے اٹوٹ محبت کرتی تھی۔ اس سے وصل کی امید نہیں تھی مگر وہ ہتھیلیوں کی اوک میں اس کی قسمت بن کر ٹھہر گیا تھا اور زریاب...... اس کا شوہر تھا۔ اس سے ٹوٹ کر نفرت کرتا تھا اور نفرت کے اظہار کا کوئی موقع جانے نہیں دیتا تھا اور اس نے خوشی سے اس رشتے کو قبول کیا تھا۔ چینج کر کے باہر نکلی۔ زریاب سو چکا تھا یا سونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ سمیعہ بھی بیڈ کے کنارے پر ٹکی۔ سر گھما کر کشن میں منہ چھپائے زریاب کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔ نفرت کے جلتے زہریلے تیر، کدورتیں، عداوتیں جو کچھ بھی آپ کے دل میں ہے مجھے ایک ساتھ دان کر دیں زریاب اور اپنے وجود کو محبت سے دھولیں۔ وگرنہ نفرتیں وجود کو کھا جاتی ہیں۔ کمرے کی معطر فضا میں ماحول بہت گھٹن زدہ ہو رہا تھا۔ اِک گہرا سانس اپنے اندر اتارا۔

خوشبو کا اِک جھونکا اس کے وجود سے ٹکرایا اور سانسوں کے راستے اندر اتر گیا۔ آنکھیں موند کر سمیعہ بھی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ بعض اوقات انسان جتنا ...ضی سونے کی کوشش کرے ذہن جاگتا رہتا ہے۔ بس ...جاگتا ہوا ذہن جانے کہاں، کہاں کی گرد چھانتا رہتا ...

UrduPhoto.com

❋❋❋

صبح بہت سہانی اور دلکش تھی۔ تروتازہ ہوا نے وجود میں تازگی بھر دی تھی۔ علی اصغر کسی کام سے جا چکے تھے۔ زریاب اپنے بیڈروم میں محوِ خواب تھا۔ اسے شاید دیر سے اٹھنے کی عادت تھی یا پھر چھٹیوں کا بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ سمیعہ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی بیڈروم سے باہر نکل آتی تھی کہ اس کی صبح خوشگوار ہو۔ اس وقت وہ لان میں اِدھر سے اُدھر چہل قدمی کر رہی تھی۔ لان میں مختلف پھولوں کے پودے تھے۔ دور کنارے پر مالی گھاس کی سطح ہموار کر رہا تھا۔ بادلوں نے آسمان کو گھیرا ہوا تھا۔ تاہم بارش کا امکان نہیں تھا۔ مارچ، اپریل میں بارشیں بمشکل ہوتی تھیں۔ موسم بے حد خوشگوار تھا اور جب دل کا موسم اچھا ہو تو گرمی میں بھی بہار کا سا سماں لگتا ہے۔ کاہی گرین سوٹ پر لائٹ گرین ایمبرائڈری، ہم رنگ دوپٹا، ہاتھوں میں بھری، بھری چوڑیاں...... آنکھوں میں اِک خمار سا تھا۔ محبت مل جائے تو شاید دل یونہی توانا ہوتا ہے۔ آنکھوں میں مسکراہٹ بھی ٹھہر گئی تھی۔ زریاب کے ملن نے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا کر اور حسین بنا دیا تھا۔

سائرہ بھی دریچے میں ٹھہر کر اس کھلے ہوئے گلاب کو دیکھنے لگیں۔ اس کلی نے ان کے وجود سے جنم لیا تھا۔ ان سے بچھڑ کر کتنا مرجھا کر کملا گئی تھی۔ بہت دکھ جھیلے تھے اس نے اور اب......! ان کے دل میں سکون اترنے لگا۔ کتنی مکمل، بھرپور اور اپنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

"سمیعہ خوش ہے، بہت خوش۔" ان کے دل نے فتویٰ دیا۔ مسکراتے ہوئے وہ اپنے بیڈروم سے باہر نکلیں اور کاریڈور سے گزر کر سیڑھیاں اتر کر لان میں آگئیں۔

"امی...... آپ!" انہیں دیکھ کر رکی اور پھر ان کی جانب بڑھ آئی۔

"ہاں صبح کے اس خوبصورت موسم میں تم اتنی پیاری اور حسین لگ رہی تھیں کہ مجھ سے رہا نہ گیا۔" انہوں نے ہتھیلی کی اوک میں اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی۔

"تم بہت خوش ہونا۔" پیار بھری سرگوشی کی۔

سمیعہ نے لاڈ سے ان کے شانے پر سر رکھ دیا۔

"ہوں......! بہت زیادہ۔"

''اللہ تمہیں خوش رکھے، اپنی امان میں رکھے بیٹا۔'' دھیرے سے اسے اپنے ساتھ لپٹالیا۔

''زریاب بہت اچھا اور نیک ہے۔ میں نے اس کا انتخاب یونہی نہیں کیا، تم دیکھنا تم کتنی خوش اور مطمئن رہو گی۔ اس سے بہت پیار کرنا وہ بھی بہت اکیلا رہا ہے۔ اپنی زندگی میں ماں کی کمی بہت محسوس کرتا ہے۔ اس کی ضرورت بن جانا بیٹا۔'' دھیرے دھیرے لان میں واک کرتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''ہوں!'' اس کے محبت بھرے دل کے آس پاس ملول، اداس ہوائیں چل رہی تھیں۔

''کبھی اسے شکایت کا موقع مت دینا۔''

''جی.....!'' دل کی سطح پر نرم گرم سی پھوار گری۔

''تم کسی کی پروا مت کرنا خاص طور پر دوھیال کی، نہ اپنے ننھیال والوں کی۔ وہ لوگ ناراض ہیں مگر یہ ناراضی وقتی ہے اور یہ ناراضی مجھ سے ہو سکتی ہے تم سے نہیں، فیصلہ میرا ہے تمہاری شادی کا..... تمہارا نہیں۔ تم خوفزدہ مت ہونا۔'' وہ دھیرے دھیرے تسلی و تشفی کے پھاہے رکھ رہی تھیں۔

''ہمایوں اور اسفر جیسے لڑکے مل جاتے ہیں مگر زریاب جیسا نصیب کسی کسی کو ملتا ہے اور اس نصیب کو میں نے اپنی بیٹی کا سہرا بنا دیا ہے۔'' رک کر محبت سے اسے دیکھا۔ اڑتی ہوئی لٹ کو پیچھے کیا۔

اپنے بیڈروم میں اپنے بستر پر خود کو اکیلا دیکھ کر زریاب ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ کسی ملازم کو آواز دینا چاہتا تھا دروازہ کھول کر مگر پہلے اٹھ کر دریچے کے پردے کھینچے، شیشے ہٹائے۔ نیچے جھانکا۔ دوسرے لمحے اس کا دل برا ہو گیا۔ وہ دونوں نیچے کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ زریاب نے کمر پر ہاتھ رکھ کر لب بھینچ لیے۔ اس سے وہ دونوں اسے خود پر ہنستی ہوئی لگیں۔

''مطلبی، خود غرض اور کمینی..... مطلب پرست، بس دو چار دن اور..... کیسے تم لوگوں کو الگ کرتا ہوں۔ شکل دیکھنے کو ترس جاؤ گی تم دونوں ایک دوسرے کی۔ فون پر بات تک نہیں کرنے دوں گا۔ جلدی سے کام کروا کر لندن کی ٹکٹ کٹواتا ہوں۔'' سرد مزاجی سے سوچتا ہوا دریچے سے ہٹا۔

''گلزار..... گلزار..... گلزار.....!'' دروازے پر آ کر حلق پھاڑ کر چیخا۔ لان میں کھڑی سمیعہ نے سنا تو اچھل کر بھاگی۔

''آہستہ بیٹا سنبھل کر..... گر نہ جانا۔'' سائرہ علی نے پیچھے سے کہا اور وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے کمرے تک پہنچی۔

''آپ اٹھ گئے۔'' خود کو سنبھال کر اندر داخل ہو کر کہا۔

''جی نہیں مجو خواب ہوں۔ میرا بھوت بول رہا ہے۔'' کاٹ کھانے کو دوڑا۔

''ناشتا.....؟''

''ماں نے پٹیاں پڑھا کر آپ کو بھیج دیا۔'' کمر پر ہاتھ رکھ کر مڑا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''کتنے گر سیکھے ہیں مرد کو قابو کرنے کے لیے۔'' دو قدم چل کر آگے آیا اور خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ نائٹ سوٹ ملگجا ہو رہا تھا اوپر سے کرخت لہجہ، اک لمحہ کو سمیعہ کو خوف محسوس ہوا۔

''کس مولوی سے تعویذ لائی ہو، مجھے رام کرنے کے لیے۔'' دو قدم پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

یہ..... یہ اگر اپنے لہجے کی کرختگی پر قابو پا لیں۔ آنکھوں میں وحشت کی جگہ محبت بھر لیں تو شخصیت ہی نکھر جائے گی۔

''کیا بکواس کر رہا ہوں۔''

''آ..... ہاں..... آپ نے کچھ پوچھا تو نہیں ہے۔'' وہ چونکی۔

''تو جھک مار رہا ہوں۔'' اس کے سندر روپ سے نگاہ چرائی۔ اب اس بات کا کیا جواب دیتی۔

''جی.....!''

''کیا، کیا.....'' وہ یوں اس کی جانب بڑھا کہ ابھی قلع قمع کر دے گا۔ وہ بدک کر بھاگی۔ دروازے سے ٹکرائی۔ دوسرے لمحے کمرا خالی تھا۔ ہراساں ہرنی

UrduPoint.com

کی طرح بھاگتی وہ ٹیرس پر آ گئی۔ نیچے امی تھیں جو اس کی شادی کو محبت سے مشروط کر رہی تھیں۔ اس کی اڑی ہوئی رنگت، پھولی ہوئی سانسیں اور زرد چہرہ دیکھ لیتیں تو محبت کی قلعی کھل جاتی اور..... اس نے ریلنگ سے ٹیک لگا کر اک ہاتھ سینے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے چہرہ صاف کیا۔ ماں کو دکھ ہی تو نہیں دینا۔ دھیرے سے نم پلکوں کو چھوا۔ اسے دو محاذوں پر بیک وقت سرگرم رہنا تھا۔ ایک کے ساتھ رہنا تھا ایک کو باخبر رکھنا تھا۔

''یا..... اللہ!'' وہیں سفید کین کی کرسی پر گری۔

''زریاب..... زریاب کیوں کر رہے ہیں ایسا، میرا قصور ہو تو سزا دیں، میں نے تو خود ہجر کا کرب سہا ہے۔ ذات کی نفی کر کے دکھ جھیلے ہیں۔ جس کرب سے آپ گزر رہے ہیں اس دکھ کا میں بھی شکار رہی ہوں۔ ہمارا دکھ سانجھا ہے۔'' اس نے کرسی کی بیک سے نڈھال سے انداز میں سر ٹیک دیا۔

آئیں، مل کر دکھ بانٹ لیں۔

آئیں ایک دوسرے کے شانے پر سر رکھ کر رو لیں۔

آئیں اور زندگی کی بساط پر زرد کے بجائے سرخ چادر بچھا لیں۔

آئیں..... آئیں۔

آنسو گریباں بھگونے لگے۔ کچھ ہی دیر قبل جو آنکھیں اندرونی محبت کے احساس سے روشن تھیں اب آبیدہ موتی لٹا رہی تھیں۔

کتھارسس ضروری تھا۔ ورنہ دکھ کی اذیت اسے گھیر کر مار دیتی۔ بہت دیر ہو گئی دل سنبھل گیا۔

اس نے مرنا تھا نہ خود کو مرنے دینا تھا۔ دھیرے سے آنچل سے چہرہ صاف کر کے کھڑی ہوئی۔

محبت اسے مل گئی تھی۔ سورج نہیں نکلا تھا۔ بادلوں سے آنکھ مچولی جاری تھی۔ موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ بادل بہت نیچے آئے ہوئے تھے۔ اس کا دل برس گیا تھا، اب بارش کا امکان نہیں تھا۔

''چھوٹی بی بی..... صاحب ناشتے پر آپ کو بلا رہے ہیں۔'' ملازمہ بشنتی ذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔ سمیعہ سر گھما کر اسے دیکھنے لگی۔ اور پھر اس کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ کاریڈور کراس کر کے نیچے اترنے لگی۔ سائرہ علی اوپر آ رہی تھیں۔

''تم یہاں ہو، زریاب نیچے ناشتا کر رہا ہے۔''

''وہ..... امی..... میں بس'' بوکھلا کر مسکرائی۔

''کدھر تھیں تم؟''

''وہ میں..... میں دراصل اوپر ٹیرس پر تھی۔ موسم بہت خوبصورت ہو رہا تھا تو میں اس کا جائزہ لے رہی تھی۔'' سائرہ علی دو سیڑھیاں چڑھ کر اس کے مقابل آ گئیں۔

''موسم کا رومانس شوہر کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔ ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ زریاب کے ساتھ رہا کرو۔ میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کے لیے ''ہونے'' کا رشتہ ہوتا ہے۔ اس کو احساس دلاتے رہنا چاہیے۔''

''جی، جی.....'' خجل سی ہو کر اس نے چہرے پر جھولتی لٹ کو پیچھے کیا۔

''جاؤ، وہ غصے میں ہے اور اس کے غصے کے پیچھے تمہاری غیر موجودگی ہے اور اس غصے میں پیار ہے۔ ڈرا مت کرو۔'' دھیرے سے اس کے چہرے کو چھوا۔

''زریاب غصے کا تیز ہے مگر دل کا برا نہیں ہے۔''

وہ مسکرائیں اور آگے بڑھ گئیں۔

''امی.....!'' سمیعہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

پیار، غصہ اور تنفرانہ انداز..... پلٹ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

''مجھے سب پتا ہے، مجھے سب خبر ہے۔ جوشِ جنون محبت ہے یا جوشِ جذبہ انتقام۔''

''تمہیں اتنی تمیز نہیں سکھائی تمہاری ماں نے شوہر کو ناشتا دینا ہے۔'' نک سک سے تیار فریش چہرہ لیے اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔

''آہستہ بولیں..... امی سن لیں گی۔'' (آپ کا پیار بھرا انداز) اک نگاہ دیکھا۔

''تو سن لیں، میں کسی سے ڈرتا ہوں۔ انہیں سنانے کے لیے ہی تو بولتا ہوں۔'' وہ حد کراس کرنے لگا

بدتمیزی کی۔ ہڑ بڑا کر اس نے اوپر جاتی سیڑھیوں کو دیکھا۔ کہیں امی محبت کا یہ جنوں نہ دیکھ لیں۔

دکھ، تاسف اور ملال نے اسے گھیر لیا۔ وہ کمالِ اطمینان سے اخبار پلٹنے لگا۔ جانتا تھا پاپا گھر میں نہیں ہیں اور وہ خاتون اوپر تشریف رکھتی ہیں۔ موسم کا سارا رومانس اس کے دل میں ترازو ہونے لگا۔ بسنتی ناشتا لگانے لگی۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ وہ اطمینان سے ناشتا کرنے لگا۔ حالانکہ وہ صبح ہلکا سا ناشتا کر چکی تھی امی کے ساتھ۔ دل میں خواہش تھی کہ زریاب کے ساتھ بھی کر لے مگر یہ حسرت تھی اور شاید رہنا بھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھائے گی اکیلے میں کبھی..... اور اس کا بچا ہوا کھائے گی بعد میں۔

یہ شخص اتنی کدورت اتنی خفگی رکھتا ہے اپنے اندر۔ ایک دفعہ ہی ساری اذیت دے دے، ایک بار ہی ساری کڑواہٹ انڈیل دے۔ خود کو کیوں اتنا کسیلا اور کثافت زدہ کر رکھا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ تم ہنستے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہو۔

جب..... جب پاپا اور امی کے سامنے لگاوٹ بھرے انداز میں دیکھتے ہو تو کتنے پیارے لگتے ہو۔ بالکل نثار ہو جاتے ہو۔ اک محبت کا لمس چہرے کو چھونے لگا، چہرہ خود بخود مسکان زدہ ہونے لگا۔

''میں کان سے کھا رہا ہوں یا بندر ہوں جو مجھے دیکھ کر ہنس رہی ہو۔'' آواز بلند تھی اور لہجہ کرخت۔ وہ ہڑ بڑا گئی۔ وہ ناشتا کر چکا تھا۔ اسے ایک بار پھر کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''وہ..... میں..... دراصل.....'' اس سے بات نہ سوجھی۔

''یا تم پاگل ہو جو خود بخود مسکرا رہی ہو۔''

''بی بی صاحبہ آپ کا فون.....'' ہاتھ میں جھاڑن لیے شریفاں کھڑی تھی۔

''کس کا ہے..... کہہ دو بی بی مصروف ہیں۔''

''اف تایا جان کا فون ہوگا۔ ناراض ہوں گے اگر اٹینڈ نہ کیا یا اسفر کا نانو نے کروایا ہوگا۔ اف میرے خدا.....!'' ایک اور محاذ۔

گھبراہٹ میں انگلیاں مروڑتے ہوئے اس نے سوچا۔ رنگت زرد ہونے لگی۔ زریاب نے نوٹ کر لیا اور شریفاں کے ہاتھ سے کارڈلیس لے لیا۔

''ہیلو.....!'' تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔

''میں اسفر بول رہا ہوں، کیسے ہو زریاب؟'' اٹھ کر اس کا بازو تھاما اس کو فون کے قریب گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ وہاں سے ریسیور اٹھا کر اسے تھما دیا۔ کارڈلیس کان سے لگائے رکھا۔

''میں ٹھیک ہوں آپ سنائیے۔''

''نانو بات کریں گے سمیعہ سے وہ ہے کیا.....؟''

''ہاں ہیں..... بات کیجیے۔'' اور ماؤتھ پیس میں اسفر کی آواز سن کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین سرکنے لگی۔ خاموش رہنا مصیبت اور بولنا اس سے بھی زیادہ بڑی مصیبت تھی۔ زریاب پر نگاہ ڈالی۔ اس کے جوہر کھلتے جا رہے تھے۔ شکی اور وہمی بھی تھا اور ازدواجی زندگی میں شک شامل ہو جائے تو خوشیوں کا رس کشید کر لیتا ہے اور اس کی زندگی پہلے کونسی خوبصورت تھی۔

''ہیلو.....!'' زریاب اس کے خوف کو نوٹ کر رہا تھا۔

''ہاں، ہیلو..... کیسی ہو..... سمیعہ، دولت مند شوہر پا کر ہمیں بھول گئیں کیا۔ ہم تو تمہارے چاہنے والوں میں سے تھے۔''

''اسفر بھائی..... نانو کو فون دیں۔'' اس کا رنگ حقیقت میں اڑ گیا۔ اس پر نگاہ جمائے وہ سب نوٹ کر رہا تھا۔

''پہلے ہم سے تو بات کر لو۔ نانو کا تو بہانہ تھا۔ کیا فرصت نہیں۔''

''آپ نے دھوکے سے فون کیا۔ میں ماموں سے آپ کی شکایت کروں گی۔'' اس کی آواز کپکپا گئی۔ زریاب کا نشارِ خون بڑھنے لگا۔

''دھوکا کیسا..... تم میری کزن ہو، میری محبت ہو، دولت جیت گئی تو کیا ہوا محبت کا تاج محل تو ہے میرے اندر۔''

''میں..... میں'' وہ فون رکھنے لگی۔ زریاب نے

UrduPhoto.com

ہاتھ پکڑ کر ریسیور کان سے لگا دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔
''دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق۔''
''اسفر بھائی فضول باتیں مت کریں۔'' دہشت سی دہشت تھی اس کا سارا وجود ہی کپکپا رہا تھا۔
''سنو جب دولت کا نشہ اتر جائے، تمہارا دولت مند شوہر کسی دوسری تتلی کی جانب اڑنے لگے تو میرے پاس آجانا۔ میرا در کھلا ہے کھلا ہی رہے گا تمہارے لیے۔''
''اسفر بھائی.....'' اس کا لہجہ چیخ گیا۔ اعتماد کی کمی تو پہلے سے ہی تھی اس وقت اسفر بھائی کی بکواس اور زریاب کی تیکھی، غصیلی نگاہیں اس کا سارا رس نچوڑ لے گئیں۔ دھاڑ کر کے فون بند کر دیا۔
''فون کیوں بند کر دیا۔ مجھے کہتیں میں چلا جاتا، تخلیہ دے دیتا۔''
''ایسی ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے..... وہ تو بس۔''
''یعنی کہ بلی نو سو چوہے کھا کے حج کو چلی۔'' وہ اس کے قریب ہو کر غرایا۔ آنکھیں پانیوں سے لبالب بھرنے لگیں۔
جس دل میں شک اپنے پیر جمالے وہاں محبت کا قیام ممکن نہیں ہوتا اور یہ شخص۔ وہ پلٹی اور بھاگتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ زریاب کی سوچتی ہوئی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔
.....اسفر بھائی یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، میری زندگی میں پہلے ہی کون سے رنگ بکھرے ہیں جو آپ رنگ بکھیرنے آگئے ہیں۔ میں..... میں تو بس دوزخ سے برزخ میں آگئی ہوں۔ وہاں نگاہوں کی تلواریں تھیں تو یہاں لفظوں کی دو دھاری تلوار ہے۔ میں، میں میرا قصور.....
سارا دن اس کی حالت دگرگوں رہی۔ اس کا جگر چھلنی ہوتا رہا۔ آج شادی کو دو ہفتے ہوئے تھے اور قدم قدم پر آنسوؤں کی یورش تھی اور اس کی ثابت قدمی۔ مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا، جب سامنے سمجھنے والی آگہی نہ ہو۔ وہ دریچے سے لگی کھڑی تھی۔ صبح تک جو منظر، موسم حسین تر لگ رہا تھا اب دل پر برس رہا تھا۔
''سنو! تمہارے ننھیال سے فون آیا ہے۔ دعوت ہے ہماری آج۔'' آہٹ اور آواز پر بے اختیار پلٹی۔ کینہ توز نظروں سے دیکھتا زریاب دروازے میں ایستادہ تھا۔ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ رخ پھیر لیا۔
''اچھا سا لباس پہن کر اچھی طرح سے تیار ہونا۔'' بستر پر بازو پھیلا کر لیٹ گیا۔ ''کہ دوستاروں کا ملن ہے آج کی رات۔''
''آپ!'' اس انداز، اس تحقیر پر اس کا گلا رندھ گیا۔
''تمہیں پورا موقع دوں گا، بات کر لینا کہ.....'' طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کل ہو نہ ہو.....! میرا مطلب ہے کہ پھر تو تم دور دیس کے درشن کرو گی۔'' اس کا گلا آنسوؤں سے بھرنے لگا۔ اس شخص کے انتقام کا نشانہ ہے وہ اور اس کی کسی بھی کمزوری کو ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ اس کے سامنے دستِ سوال عبث ہے۔ اپنی کمزوری کو مزید کمزوری بنانا ایک تکلیف دہ امر ہے۔ سر جھکا کر باہر نکل گئی۔
دوپہر کے کھانے پر پاپا بھی آگئے۔ ٹیبل پر خوشگوار سی ہلچل تھی۔
''سنو سمیعہ بہت اچھا سا تیار ہونا۔ میرے خیال میں وہ ڈبل شیڈ کی ساڑی باندھ لینا۔ فیروزی نیکلس پہن لینا۔'' سائرہ علی بہت خوش تھیں سب کچھ ان کے حسبِ منشا تھا۔ اک فخر کی سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کی جانب جھک کر بولنے لگیں۔ سمیعہ ماں کو دیکھ کر رہ گئی اور جانتی تھی کہ زریاب ان کی جانب متوجہ ہے۔
''میں اپنی بیٹی کی تمام تنہائیوں کا، دکھوں کا اور محرومیوں کا ازالہ کر دینا چاہتی ہوں۔ اندھیری شام کی سحر کتنی خوبصورت ہوتی ہے بتا دینا چاہتی ہوں۔'' کسی اندرونی خوشی کا عکس ان کے چہرے پر جھلملا رہا تھا۔ صبح والی صورتِ حال نہ ہوتی، اسفر خبیث کا فون نہ آیا ہوتا تو اس وقت اس کی خوشی دگنی ہوتی، تانو اور ماموں سے

UrduPhoto.com

ملنے کی خوشی اپنی جگہ ممانی کی اڑی رنگت بھی دیکھتی۔

برا ہو اس اسفر ذلیل کا۔ زریاب جانے کیا سوچ رہے ہوں گے۔ موصوف گنوں کے پورے ہیں۔ آہستہ آہستہ کر کے تمام خوبیاں نظر آنے لگی ہیں۔

"سمیعہ.....!" الماری سے اپنے کپڑے نکالتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔ "کیا کرتی ہو تم۔ خود کو مضبوط اور مربوط رکھو اور یاد رکھو جب تم نے کوئی خطا، کوئی غلطی کی ہی نہیں تو ڈرنا اور خوف کھانا کیسا؟ خود کو مربوط کرو..... اس لیے کہ تمہارے چہرے کا ہراس زریاب کے شک کو تقویت دے گا۔"

"ہاں یہ ساڑی ٹھیک رہے گی۔" اپنے بالکل پیچھے زریاب کی آواز نے چونکا دیا۔ سرخ اور سبز امتزاج کی ساڑی کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

"نہیں....." اس نے سی گرین اور رائل بلیو سنہری باڈر والا چوڑی دار پاجامہ اور شرٹس والا ہینگر ہاتھ بڑھا کر نکال لیا۔

"وہاں سب لوگ ہوں گے اور اتنی باریک ساڑی میں مجھے شرم آئے گی۔" اس کا عذر معصوم تھا۔ زریاب مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ ڈریسنگ کی دراز سے وہ میچنگ جیولری نکال رہی تھی۔ جھکنے سے اس کے بال آگے ڈھلک گئے تھے۔

سمیعہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

ساڑی! زریاب کی خواہش تھی مگر اس صورتِ حال میں پہننا ناممکن تھا۔ جس محبت بھرے عکس کے ساتھ اس نے یہ ساڑی اور اس کی میچنگ بھری بھری چوڑیاں خریدی تھیں اسی محبت بھرے رنگ میں پہننا چاہتی تھی مگر..... دروازے سے ٹیک لگا کر گہرا سانس لیا۔ سامنے قدآور مرر میں اس کا سراپا نمایاں تھا۔ زریاب کی ولی کدورت، نفرت، گریز، اجتناب دیکھتے ہوئے محبت عبث لگ رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے تیار ہونے لگی۔ دل خواہ مخواہ ہی اداس ہونے لگا۔ تیار ہو کر باہر نکلی۔ سائرہ علی نے ستائشی انداز میں دیکھتے ہوئے ساتھ لگا لیا۔

"ساڑی کیوں نہیں باندھی؟" سمیعہ نے وہی عذر بتا دیا۔

"اب تم شادی شدہ ہو اور تمہیں چند دنوں میں لندن چلے جانا ہے پھر جانے کب آنا ہو۔ پہننے، اوڑھنے اور دکھانے کے یہی دن ہیں تمہارے پاس۔" سائرہ علی سمجھا رہی تھیں۔ زریاب کی گہری آنکھیں خود پر مرتکز محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ دیکھنے سے گریزاں تھی۔ اس کو شک میں ڈوبی، غصے کا لبادہ اوڑھے یہ آنکھیں اچھی نہیں لگتی تھیں اور ساحر آنکھیں صرف اپنے پاپا کی موجودگی میں اس کی جانب اٹھتی تھیں اور محبت بیکراں ایسا احساس دیتی تھیں۔

نانو کے گھر میں اس کا روایتی سا استقبال ہوا۔ امی ساتھ نہ ہوتیں تو شاید یہ بھی نہ ہوتا۔ دعوت تو دور کی بات ہے۔

"اچھا..... تو آپ ہیں اسفر۔" خاصی توجہ کے ساتھ زریاب نے لمبے قد والے اس لڑکے سے ہاتھ ملا کر خاص نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ کان کھجاتا اسفر اپنے مخصوص عیارانہ انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ بس نانو کی گود میں چھپی سب کو نظر انداز کرتی رہی۔ دونوں ممانیوں کی جلتی بجھتی نظریں، حاسدانہ فطرت، کرن کا طنزیہ انداز، روڈ لہجہ۔

"سمیعہ پلیز ایک گلاس ٹھنڈا سا پانی تو پلوا دو۔" مسکراتے ہوئے لگاوٹ بھرے انداز میں اس کی جانب جھک کر زریاب نے کہا۔ نانو اس کی محبت پر محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اپنا دوپٹا سنبھال کر وہ باہر نکلی۔

"میسنی، مرگھلی کی قسمت کتنی اچھی نکلی۔"

"سارے نصیبوں کے کھیل ہیں۔"

"امی، پھپھو تو بڑی تیز و طرار نکلیں۔ کیسا داؤ کھیلا انہوں نے۔ پہلے اپنی قسمت بنا ڈالی اس کے بعد بیٹی کے بخت بھی روشن کر دیے۔" یہ کرن کا زہر میں ڈوبا لہجہ تھا۔

"ہمیں کیا ملا..... پالا، پوسا، نوکرانی بنے۔" یہ بڑی ممانی تھیں۔ سمیعہ باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

UrduPhoto.com

''سائرہ کو ذرا خیال نہ آیا، میرے بیٹے کو باہر بلوا لیتی، کسی اچھی جگہ لگوا دیتی..... ارے کون کسی کے لیے کرتا ہے۔ دولت آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے تو اپنے سوا کون نظر آتا ہے۔'' چھوٹی ممانی کے لہجے میں حسد و رقابت کی تپش تھی۔

''ہمارے احسانوں کا کوئی احسان ہی نہیں ہے۔ اور اسے دیکھو میسنی، کمینی کو مہمانوں کی طرح بیٹھی ہے اندر۔''

''کاش..... کاش آپ لوگوں نے مجھ پر احسان کیا ہوتا تو میں بدلہ دیتی مگر میں روتا سسکتا بچپن نہیں بھول سکتی۔ سردیوں کے دنوں میں بڑے بڑے دالان دھونا، کپڑے دھونا، سارا ٹھنڈا کام کرنا..... ٹھنڈ لگ جائے تو ایک کپ چائے کے لیے ترسنا۔ اور..... اور'' آنچل سنبھالتے ہوئے ایک لمحے میں ماضی نظروں کے سامنے تھا۔

''ارے..... تم یہاں کھڑی ہو۔'' اسفر جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور اسے بوکھلا دیا۔ اندر کی گفتگو نے قدموں کو ساکت کر دیا تھا تو اسفر کی موجودگی نے دم ساکت کر دیا۔

''وہ..... میں پانی.....'' بوکھلا کر کچن میں داخل ہو گئی۔ اندر سب خاموش ہو گئے اور بغور اس کا جائزہ لینے لگے۔ نک سک سے تیار، نکھری، تر و تازہ فریج سے بوتل نکال کر گلاس بھرا اور باہر نکلنے لگی۔ دروازے میں اسفر تھا۔ وہ ان سب کے تمانچے، تھپڑ، زہریلے جملے بھولی نہیں تھی۔ ابھی کل ہی کی تو بات لگتے تھے۔

''سمیعہ..... سمیعہ پانی ہے یا جامِ شیریں.....'' زریاب کی آواز نے بوکھلا دیا۔

''ہٹیں راستے سے اور جو کچھ آپ نے کہا ہے فون پر اچھا نہیں کیا اسفر بھائی۔''

''اچھا تم دیکھنا میں اور کیا کیا کرتا ہوں۔'' اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتا کینہ توز نظروں سے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ وہ اونہہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ سامنے ہی زریاب کھڑا تھا۔

''اتنی دیر..... اوہو..... اچھا.....'' گلاس دیکھ کر اسے دیکھا پھر کچن کی جانب دیکھا..... اوہو!'' کچھ جتانے والے انداز میں دیکھا۔ اس پر گھڑوں پانی گرنے لگا۔

''ذرا ان سب سے باتیں کرنے لگی تھی۔''

''تو مجھے کہتیں یار میں بھی تمہاری گیدرنگ کا حصہ بن جاتا یا میں خود ہی بہر ملاقات کا موقع نکال لیتا۔'' زریاب کا دل جلانے والا انداز۔ اس کی آنکھ بھر آئی مگر صبر کی چادر شانوں پر ڈال لی تھی۔ تحمل کا جام ہونٹوں سے لگا لیا تھا تو پھر استقلال بھی قائم رکھنا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ میرے پرانے رشتے ہیں۔''

''ہاں پرانے رشتے ہی اٹوٹ ہوتے ہیں۔'' بڑے ہی دل فگار انداز میں ہاتھ بڑھا کر اس کا آویزہ چھیڑا اور کچن سے دیکھتے تمام لوگوں کو محبت کرنے والے شوہر کا تاثر دیا۔

''جو بھلائے نہیں بھولتے۔'' اس کی جانب جھکا۔ پوڈی کلون اور مردانہ پرفیوم کی مہک مشامِ جاں کو معطر کر گئی۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں مرد کے روپ دیکھے ہی کتنے تھے۔

''آؤ.....'' اس کے شانوں پر بازو دراز کر کے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ باپ جو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی گزر گئے۔ بھائی کوئی تھا نہیں، نانا جو محبت اور چاہت کا حسین امتزاج تھے۔ جب تک رہے اس نے بہت کچھ سیکھا اور جب گزر گئے تو کتابیں سہارا بنیں۔ اس کے ماموں زاد کزنز..... مطلبی، خود غرض، بہروپیے اور مطلب پرست..... مختلف چہرے تھے۔

اس کے ساتھ اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ نانی کے پاس بیٹھی سائرہ علی نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ فخر سے ان کا سر بلند ہو گیا۔ ماموں سے زیادہ رشتہ استوار نہ ہو سکا۔ انہوں نے زیادہ وقت اپنی نوکری اور اپنے بچوں کو دیا تھا۔ جب وہ گھر پر ہوتے تو سمیعہ کچن میں ہوتی۔ کچھ اس کا بچپن ڈرا، سہما اور خوفزدگی کی نذر ہو گیا۔ احساس محرومی، خود ترسی نے اسے کھل کر ہنسنے نہ دیا۔

''اسفر تمہیں اتنا پسند تھا تو اس سے شادی کیوں نہ

UrduPhoto.com

کی۔“ ایک اور رگِ جاں کو چیر دینے والی سرگوشی اس کے پہلو سے بلند ہوئی۔ چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ دل کو چھید دینے والے انداز میں وہ اپنے گھٹنے پر ہاتھ پھیرتا، گرد جھاڑتا پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر بڑی ہی دل آویز مسکراہٹ تھی۔ یکدم ہی نانی کو دیکھا۔ نانو اس پر نثار ہونے کو تیار تھیں۔ ان کی بیٹی کو کیسا بانکا سجیلا داماد ملا تھا۔ اس کے صبر کا پھل ملا تھا۔

”مجھ سے تو یہ بھی نہیں پوچھا گیا تھا کہ تمہاری شادی زریاب سے کردیں۔“

”چچ......چچ۔“

”نہیں، آپ کسی حزن میں مبتلا نہ ہوں، ملال تو مجھے بھی ہے کہ آپ پر میں مسلط ہوں۔“ اسی کے انداز میں...... ہنوز اسی کیفیت میں سمیعہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”کبھی یہ مت سمجھنا کہ تم مجھ پر مسلط ہو سمیعہ بی بی۔“ گہری ہوئی مسکراہٹ کو اور گہرا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لگاوٹ سے کہتا وہ اس کا ہاتھ بھینچ گیا۔ چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”تم میرے پاپا کی پسند ہو۔ پاپا کے لیے میں اپنا سر بھی کٹا سکتا ہوں۔ وہ واحد ہستی ہیں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں مگر مجھے تمہاری ماں سے بھی تو حساب کتاب کرنا ہے۔ جس نے میری سوتیلی ماں بن کر مجھے ہمیشہ محروم تمنا رکھا۔ میرے بچپن کو آہوں اور سسکیوں کی نذر کردیا۔“ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے وہ سائرہ علی کی جانب دیکھ رہا تھا جو محبت سے اپنی ماں کے کندھے پر سر رکھے ان کی ممتا سمیٹ رہی تھیں۔

ڈبل پالیسی سے چلتا، دہری چالیں کھیلتا وہ نفسیات کا کوئی الجھا ہوا کردار لگا۔ وہ بیک وقت تین کردار ادا کررہا تھا۔ سب کی نظروں میں سمیعہ کا شوہر حسین، دولت مند اور محبت کرنے والا ہے۔ سائرہ علی خوش تھیں ان کو اچھا داماد مل گیا اور سمیعہ شدومد کا شکار۔ اس کی زندگی دوزخ سے نکل کر برزخ میں چلی گئی تھی۔ ہونہ کب عالمِ بالا میں پہنچ جائے۔ اس نے دھیرے

سے نظر چرائی۔ اسفر اور راحیل اندر آرہے تھے۔ اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔ اس نے ایک اور برزخ اس کے لیے تیار کردیا تھا۔ اسفر، راحیل اور زریاب باتیں کرنے لگے۔ وہ غائب دماغی سے پہلے سب کو دیکھتی رہی اور پھر دھیرے سے باہر نکل کر برآمدے میں آئی سیڑھیاں اتر کر پچھلی جانب نکل آئی۔ یاس کی گرد اس کے وجود سے آکاس بیل کے مانند لپٹ رہی تھی۔ دل خواہ مخواہ بھرآ رہا تھا۔ دھیرے سے لائٹ آن کرکے اپنے مخصوص گوشے کی جانب دیکھا۔

سامنے بنے ڈربے میں کوئی جنبش کوئی چکن نظر نہیں آرہا تھا۔ مانو نے اسے دیکھا تو آکر پیروں سے لپٹ گئی۔ خرگوش اپنی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی تنہائی کے ساتھی، اس کے دوست، اس کے غمگسار، اس کے مہربان رفیق...... چند آنسو بھرائی ہوئی آنکھوں سے نکلے اور بلی کے بالوں میں جذب ہوگئے۔ وہیں ایک سیڑھی پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے بلی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

زریاب اگر آپ اکیلے، اداس اور محروم تمنا رہے ہیں تو ہجر کا، ماں سے جدائی کا اذیت ناک سفر میں نے بھی طے کیا ہے۔ ہمارا دکھ سانجھا ہے۔ قصوروار میں ہوں نہ آپ۔ آئیں ہم دونوں مل کر ایک دوسرے کا دکھ بانٹ لیں۔ درد پی لیں، خوشیاں سمیٹ لیں، گریہ کے بادل اس سے لپٹ رہے تھے مگر اس کو خوش، مطمئن اور فرحان نظر آتا تھا۔ برستی آنکھیں کوئی بھی عکس اخذ کر سکتی تھیں۔ دھیرے دھیرے بند باندھ کر خود کو نارمل کیا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ اندر سے قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سب سے بلند قہقہہ زریاب اور راحیل کا تھا۔

”خدا کرے یونہی ہنستے مسکراتے رہو۔“ دل سے دعا نکلی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ شاید دسترخوان بچھ رہا تھا۔ چھوٹی ممانی نظر نہیں آرہی تھیں۔ ان کے سینے پر سانپ لوٹ گئے تھے۔ سمیعہ کو رشتہ اتنا اچھا ملا۔

”سائرہ باجی کو بھتیجیاں نظر نہیں آئیں، ہم نے بچی کو پال پوس کر جوان کردیا اور میری بیٹیوں کو ہی ہری

UrduPhoto.com

چھنڈی دکھا گئیں۔" بڑی ممانی بھی اس سے جیلس تھیں۔ وہ ڈری سہمی، خوفزدہ بچی کے مانند ان کے درمیان رہی تھی۔ محبت کی متلاشی جو پیار بھری نظر ڈالتا اس کے گرد ڈولنے لگتی تھی۔ تھوڑی بڑی ہوئی تو سب اپنے کام کے لیے اسے دوڑانے لگے سارے گھر کا بایاں بازو بن گئی۔ تھوڑی اور بڑی ہوئی تو ممانیوں کا رویہ اس کی کزنز کا رویہ اس کے ساتھ بدل گیا۔ ممانیاں اسے اسٹور میں گھسائے رکھتیں یا کچن میں مصروف رکھتیں۔ یا پھر چھت پر بنے غسلخانے میں رکھی مشین میں کپڑے دھوئے جاتی پھیلائے جاتی۔ اسے تمام کزنز کے درمیان بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ ہاں ان کے آئے مہمانوں کی مہمانداری اس نے کرنی تھی۔ اس کے باوجود اسے سخت سست سننا پڑتا تھا۔

ایک احسان اس پر یہ ہوا کہ ممانی نے اپنی غرض سے اس کو سلائی سکھا دی۔ اب گھر بھر کی ذمے داری کپڑے سینے کی اس کی تھی۔ نانو ایک بیٹی کے گھر پھر دوسرے بیٹے کے یہاں۔ یوں وہ مصروف تو رہیں اس پر بھی نظر رکھی تھی۔ محبت اسے صرف نانو سے ملی۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

بے حد قریب سے آواز ابھری تو چونک کر پلٹی۔ ذرا فاصلے پر زریاب تھا جھجک کر کھڑی ہوئی۔

"ماضی کو یاد کرنے سے کیا فائدہ۔ اب تو چڑیاں چگ گئیں کھیت۔" زریاب نے بھیگے مژگان پر گہری نظر کی۔ اس نے پلٹ کر الوداعی نگاہ سے اس جگہ کو دیکھا جہاں بچپن بیتا جوانی نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کے پچھن اور چکن اس کی اداسیاں اور تنہائیاں دور کرتے تھے۔ اب یہاں جانے کب آنا ہو۔ آئے یا نہ آئے۔ کل یہ جگہ ہو نہ ہو۔ پلٹ کر آگے بڑھی۔

"یہ آنسو چہ معنی دارد......" زریاب نے راستہ روک لیا۔ "جہاں دل چاہتا تھا وہاں کہہ دیتیں۔" نم پلکوں کو اٹھایا۔ "یہ شخص سنگ القلب ہے اور اذیت دینے میں دور تک جائے گا۔ بحث عبث ہے۔ جواب دینا، صفائی دینا اسے گناہ گار ہی بنائے گا۔ سو خاموشی بہتر ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"کیا اصغر سے بات کرنا تھی کوئی۔"

"نہیں......" اپنا آنچل سنبھال کر آگے بڑھتی چلی گئی۔

زریاب نے پہلے اسے جاتے دیکھا اور پھر اطراف میں نگاہ ڈالی۔ زرد روشنی آس پاس کے منظر کو روشن کر رہی تھی۔ ایک اداسی تھی ایک بھیگا ہوا منظر سا محسوس ہو رہا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے زریاب نے گہرا سانس بھرا۔ باسی پھولوں کی اداس سی مہک اس کے اندر اترنے لگی اسے بہت عجیب سا لگا۔ دھیرے سے پلٹا۔

"جاہل، میٹرک پاس، صرف اپنے حسن کی بدولت میدان مار گئی ہے ورنہ ہے کیا اس میں۔" کچن سے گزرتے گزرتے زریاب نے سنا۔ کسی نے دل جلے انداز میں یہ جملہ کہا تھا قدم دھیرے کر لیے۔

"ارے گنوں سے گھر بستے ہیں۔ چار چوٹ کی مار کھا کر واپس آئے گی پھر کیا کرے گی سائرہ...... دولت دیکھی ہے اس نے تو۔ خود غرض کمینی عورت اتنے اچھے لڑکے کو بے گنوں کی لڑکی پکڑا دی۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی...... نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔"

وہ الجھے ہوئے انداز میں آگے بڑھا۔

❁❁❁

واپسی پر اس کا موڈ بڑا خوشگوار تھا۔ علی اصغر نے اپنے ہاتھوں سے کشمیری چائے بنا کر ان سب کو پلائی۔

"سچ پاپا...... آپ کی یہ کشمیری چائے، انڈوں کا حلوا اور آملیٹ میں بہت یاد کرتا ہوں۔"

"برخوردار تمہاری بیگم بہت سگھڑ ہے۔ اپنی بہو کو میں سکھا دوں گا عیش کرنا۔"

"نہیں پاپا...... آپ جیسا مزہ نہیں آئے گا۔"

"کھاتے ہوئے باپ کو یاد کر لینا موجاں ہی موجاں۔" علی اصغر نے بڑے اسٹائل سے کہا اور سب ہنس دیے۔ باغ و بہار قسم کی شخصیت اس کے سسر علی اصغر اسے بہت اچھے لگے تھے۔

"پاپا ہوتے تو ایسے ہی ہوتے۔" بڑی حسرت

UrduPhoto.com

سے سوچا۔

''پاپا ہی تو ہیں..... امی کے شوہر، اس کے شوہر کے والد، میرے والد، میرے سسر..... ڈبل رشتہ ہے۔''

''کیوں بہو.....!'' اسے مخاطب کیا اور وہ عاجزی سے مسکرادی۔ ''جب تک یہاں ہو برخوردار مون ہنی ہی کرلو۔ ابھی فرصت بھی ہے اور کام کا بوجھ بھی نہیں ہے۔'' سگار سلگایا۔

''اب تو پاپا بالکل ٹائم نہیں ہے۔ دو ہفتے رہ گئے ہیں میرے جانے میں۔ آپ کی بہو کے کاغذات نامکمل ہیں۔ شناختی کارڈ تک تو بنا ہوا نہیں تھا۔ از سر نو کاغذات بنوائے ہیں ان کے۔ بس یہ دن اسی میں نکل جائیں گے، اگر چھوڑ کر چلا گیا تو بعد میں کون بنوائے گا۔ آپ کی بھی فلائٹ نزدیک ہے۔''

''پنکی اور جنید نے نون کر کے برا حال کر دیا ہے۔ زریاب بہت اداس ہیں وہ..... زین کے فائنل ٹرم ہیں۔'' سائرہ علی نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''ہماری ٹکٹیں ری نیو ہو گئی ہیں۔ میرا خیال ہے ہم لوگ ساتھ ساتھ نکلیں گے۔ کیوں؟'' انہوں نے علی اصغر کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ سمیعہ کا سانس سینے میں تھم گیا۔ تنہائی، سناٹا، اکیلا پن۔ زریاب نے ایک نگاہ ان پر ڈال کر باپ کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ان کی بات کا جواب دیا ہی نہیں کرتا تھا اور اب جب سے سسرال سے ہو کر آیا تھا ایک نئی سوچ ایک نیا کڑوا پن ذات میں گھلنے لگا تھا۔

''نو سوچو ہے کھا کر بلی حج کو چلی۔''

''بے گنوں کی لڑکی اتنے اچھے لڑکے کو پکڑا دی۔ خود بھی سر پکڑ کر روئے گی۔''

سمیعہ جانے کس گہری سوچ میں مبتلا تھی۔

❋❋❋

''سمیعہ تم مجھے کتنی عزیز ہو تم نہیں جانتیں بیٹا میں تمہارے پاس نہیں تھی مگر تم ہر لمحہ، ہر وقت میرے ساتھ ساتھ ہوتی تھیں۔ زین کو میں تم سمجھتی تھی پھر میری بیٹی ہوئی اسے میں نے تمہارا پرتو بنا لیا۔ اکثر میں اسے سمن کہہ دیا کرتی ہوں۔'' دھیرے دھیرے اس کے بالوں

میں ہاتھ پھیرتی سائرہ علی اپنی ممتا کا اپنی محبت کا احساس دلا رہی تھیں۔

”مجھے اس کا افسوس ہے کہ تم پڑھ نہیں سکیں...... تمہارا انٹرسٹ نہیں تھا۔“

”میرا انٹرسٹ......“ ایک تلخ سی مسکراہٹ نے ہونٹوں کو چھوا۔ ”سوچنے والی بات ہے جسے کتابوں سے محبت ہوگی اسے تعلیم میں انٹرسٹ نہ ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے پڑھنے ہی نہیں دیا گیا۔ آگے بڑھنے ہی نہیں دیا گیا۔ کام، کام، کام۔“

”وہاں جا کر اپنی انگلش کو بہتر کرنا اگر موقع ملے تو تعلیم جاری کر لینا یا پھر کوئی ہنر سیکھ لینا۔ ٹائم اچھا گزرے گا۔ زریاب بہت اچھا لڑکا ہے۔ میں نے تمہارے لیے بہترین کا انتخاب کیا ہے...... تمہاری تمام محرومیوں کا، دکھوں کا ازالہ ہو جائے گا۔“ دھیرے سے اس کا سر اونچا کر کے بال سنوارے۔

”ازالہ......“ اس کا دل جلنے لگا۔ ”ازالہ تو کسی بھی چیز کا ممکن نہیں رہا۔ مجھے تو اپنا تباہ کن مستقبل صاف نظر آ رہا ہے۔“ دھیرے سے نظر چرائی۔ تبھی فون بیل بجی۔ وہ اس جانب متوجہ ہونے لگیں۔ ”تو سمیعہ دھیرے دھیرے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ سوگوار، سنجیدہ اور دکھی۔ دھیرے سے لان میں اتر گئی۔ مالی پودوں کی صفائی اور چھٹائی کر رہا تھا۔ دوسرا مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ نے لان کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

سردیاں جا چکی تھیں۔ بادام اور ہار سنگھار کے پیڑوں پر لگا بور اوائل بہار کا پتا دے رہا تھا۔ ننھی کونپلوں نے جامن کو بھی بھر دیا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ درختوں بیلوں کو دیکھتی گزرنے لگی۔ ہر شجر پر بور لگا دیا اور جن دنوں میں یہ بور پھولوں میں بدل جائے درخت، پیڑ، پودے سب بہاروں کی آمد سے بھر جاتے۔ لان ہرا بھرا سرسبز ہو جاتا۔ چلتے چلتے وہ اس پودے کے پاس رک گئی۔ رنگ برنگ پودوں سے لان بھرا ہوا تھا۔ یہ علی واصف صاحب کا شوق تھا۔ دھیرے سے دوزانو...... ہو کر بیٹھی۔ اس پودے پر کبھی بہار نہیں آئی۔ اسے کبھی خزاں نہیں گھیرتی۔ سردی ہو، گرمی ہو یہ ایک جیسے تن و من کے ساتھ رہتا ہے۔

کیکٹس......! دھیرے سے اس کو چھوا۔ احتیاط کے باوجود ننھا سا کانٹا پور کو چھو گیا۔ اس کی اور میری زندگی ایک جیسی ہے۔ نہ دوسرے سمجھتے ہیں میری زندگی میں بہار آ گئی ہے۔ میں خوشیوں سے مالا مال ہو گئی ہوں۔ ہر چیز میسر ہے۔ دولت میں کھیلتی ہوں۔ مگر......! آنسو اس کے اندر گرنے لگے۔ بعض چیزوں پر بہار کبھی نہیں آتی۔ اس کی انگلیاں دھیرے دھیرے کیکٹس کے تنے کو چھو رہی تھیں۔ کچھ لوگوں کی قسمت شام غریباں جیسی رہتی ہے۔ زندگی نہ انہیں گزارتی ہے نہ گزرتی ہے بس ٹھہر جاتی ہے۔ دل جانے کس کرب و اذیت سے گزر رہا تھا۔ وجود نے سمجھوتے کی چادر ہر سو، ہر مقام پر اوڑھے رکھی بلکہ اب تو یہ مستقل بنیادوں کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ دھیرے سے کھڑی ہو گئی

”سمیعہ...... سمیعہ!“ سائرہ علی اسے آوازیں دے رہی تھیں۔ سر گھما کر دیکھا۔ ”آؤ میں شاپنگ کے لیے جا رہی ہوں تمہیں بھی کروا دوں گی۔ ہم سب لوگوں کی ایک ہی دن فلائٹ ہے ابھی زریاب کا فون آیا ہے۔“ پلٹ کر خود کو سنبھال کر وہ سامنے آ گئی۔

”مگر امی...... میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔“

”یہ کپڑے یہاں کے موسم کے لحاظ سے ٹھیک ہیں، لندن میں سردی عروج پر ہے اور برفباری شدید ہے۔ کچھ پل اوور، کارڈیگن، گرم سوٹ شالیں لے لو۔ کام آئیں گے۔ جاتے ہی تو تم گروسری نہیں کرنے لگو گی۔“ محبت سے اس کا رخسار چھوا۔

”چلو شاباش گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں آ جاؤ۔“

”امی...... ان سے تو پوچھ لوں۔“ وہ کچھ جھجکی۔ سائرہ علی پلٹیں۔

”وہ میرا بیٹا، میرا داماد ہے۔ اسے کیا اعتراض ہو گا اور تم اپنی ماں کے ساتھ ہو بیٹا۔“ شش و پنج سے انہیں دیکھا۔

”اس کے ساتھ شاپنگ میں کچھ ڈھنگ سے خرید ہی نہیں سکو گی۔ نہ اسے اتنا تجربہ ہوگا۔ آہستہ آہستہ ہی تجربہ آئے گا۔“ وہ اب بھی تذبذب میں مبتلا تھی۔

''چلو شاباش.....'' پیار سے چمکارا۔ لمحہ بھر کو سوچا اور اندر سے بیگ لے آئی۔ امی نے اسے سردیوں کے حساب سے خوب شاپنگ کروائی اور وہ ان کی پسند سے لیتی رہی۔

''سمیعہ.....!'' واپسی میں انہوں نے کہا۔ ''کچھ چیزیں وقت کے ساتھ بدل جانی چاہئیں۔ اب تمہاری زندگی میں سکون ہے، اطمینان ہے، چاہنے والا شوہر ہے۔ لندن میں شاندار گھر تمہارا منتظر ہے۔ اسے سجانا، سنوارنا..... کچھ عرصے بعد زندگی مصروف ہو جائے گی۔ تمہیں خود کو بدل لینا چاہیے۔ یہ خاموشی، اداسی، سرد مہری کے رنگ اتار پھینکو۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ریلیکس سے انداز میں سائڈ سیٹ پر سمیعہ کو مخاطب کیا۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ بلیک گلاسز سے انہوں نے آنکھوں کو ڈھکا ہوا تھا۔ چمکتی دھوپ ان کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ خوبصورت بالوں کا براؤن ہیئر کٹ شانوں پر بکھرا تھا۔ سپید اور مخروطی انگلیوں نے اسٹیئرنگ کو پکڑا ہوا تھا مضبوطی سے۔ کلائی پر رسٹ واچ کے نگ چمک رہے تھے۔ اس کی امی کتنی خوبصورت تھیں آج بھی اور خوبصورتی ہی ان کی زندگی کی کامیابی کا ذریعہ تھی۔ دھیرے سے اس نے سر جھکا کر گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھا۔ ناہموار ناخن، خشک ہتھیلیاں، ویران کلائیاں..... چند ہفتوں کی بیاہی دلہن۔ بعض لوگ خوبصورتی سے زندگی کی خوشیاں سمیٹ لیتے ہیں۔ بعض لوگوں کو خوش قسمتی خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اس کی زندگی.....! گہرا سانس رگِ جاں سے نکلا۔ گاڑی سگنل پر رک گئی۔

''اگر تم خوش نہیں بھی ہو تو خوش رہنا سیکھ جاؤ بیٹا۔ زندگی میں جو کچھ تمہیں زریاب دے سکتا ہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ مڈل کلاس کسی بھی شخص کے ساتھ تم معاشی صعوبتیں ہی اٹھاتیں۔ محبت! محبت کس کو کتنا خوش رکھ سکتی ہے بیٹا۔'' انہوں نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ ''تمہیں ماضی میں نہیں حال میں جینا ہے اور تمہارا حال اتنا خوبصورت ہے کہ تمہارے ننھیال اور ددھیال کے تمام فرد جل کر راکھ ہو چکے ہیں۔ اس بات کا اندازہ تمہیں بھی ہے۔ زریاب بہت اچھا ہے۔ بس ذرا غصیلا ہے مگر مجھے معلوم ہے تم اپنے پیار سے اسے کنٹرول کر سکتی ہو۔ عورت میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بساط الٹ دے۔ اگر زریاب کو کوئی اور پسند بھی ہے تو اب تم اس کی زندگی میں شامل ہو اور تمہیں ہمیشہ ہی اس کی زندگی میں رہنا ہے۔'' سگنل کھل گیا تھا۔ گاڑی رواں سڑک پر بھاگنے لگی۔ سائرہ علی اسے دھیرے دھیرے سمجھا رہی تھیں۔

''اور سنو، زریاب فلرٹ نہیں ہے، میرے خیال میں وہ فلرٹ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر تم کچھ ایسا محسوس کرو تو اسے آتے جاتے موسموں سے تعبیر کر لینا کیوں کہ حقیقت تم ہو، گرل فرینڈز بدلی جا سکتی ہیں بیویاں نہیں۔ تمہیں اپنی چاہت، اپنے حلیے، اپنی محبت خیال، دھیان سے اسے مکمل اپنائیت کا ثبوت دینا ہے۔ اپنے ہونے کا احساس دلانا ہے۔'' ماں ہونے کے ناتے آنے والی زندگی سے متعلق اسرار و رموز سمجھا رہی تھیں۔

''زندگی میں سب کچھ من چاہا نہیں مل جایا کرتا۔ کچھ من پسند بنانا پڑتا ہے اور کچھ سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔'' گاڑی اب گھر کے مین روڈ پر تھی اور اپنی سبک ڈرائیونگ کے ساتھ چند ہی منٹوں میں گاڑی گھر کے سامنے تھی۔

''امی..... آپ کی ڈرائیونگ بہت اچھی ہے۔'' انہوں نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے سر گھما کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

''زندگی بھی ایک گاڑی ہے۔ اسے مہارت اور توجہ کے ساتھ ڈرائیو کرنے کی ضرورت ہے بیٹا اور توجہ کے ادراک کے ساتھ ہر کوئی ماہر ڈرائیور بن سکتا ہے۔''

''ہوں!'' اس نے سر جھکا کر تائید کی۔

اس کی کیفیت گداز ہو رہی تھی۔ (زندگی اور زندگی کی گاڑی مستعار لی ہوئی لگے تو کیا ہو سکتا ہے جبری مشقت) امی کی باتیں اپنی جگہ زریاب کی کیفیت اپنی جگہ اور اس کی ذات۔ دھیرے سے باہر نظر کی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی گیرج میں رک گئی۔ ماسی زینب بھاگی آئی۔ سائرہ علی اسے شاپر دینے لگیں۔

یہ تین کونوں کی مثلث اس کا تکونا گھر۔ دھیرے سے گاڑی سے اترنے لگی۔

"آجاؤ سمیعہ۔" وہ اندر جاتے جاتے پکارنے لگیں۔

"امی.....!" اس کے دل سے ہوک سی نکلنے لگی۔

"جانے کون آنا جانا موسم ہے۔ وہ گرل فرینڈز یا میں۔ زریاب کا لہجہ، اس کا سلوک، ہتک آمیز رویہ، ناروا سلوک اور کسی سے کہنے کی اجازت بھی نہیں اور مشقِ ستم بھی بنوں اور حرفِ شکایت بھی نہ کروں اور کروں بھی تو کس سے۔

"آپ خوش ہیں کہ میرے لیے انتہائی نائس اور نفیس لڑکے کا انتخاب کیا ہے۔ وہ آپ کو سوتیلی اور غاصب سمجھتا ہے جس نے اس کا بچپن چھین لیا۔ اسے تنہائی، اکیلا پن اور بورڈنگ، پھر ہاسٹل کی سخت زندگی دی۔ اس سے اس کا باپ چھین لیا۔ وہ ہر ہر لمحے کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے۔"

اور میری زندگی۔ خشک آنکھوں سے ہرے بھرے لان کو دیکھا۔ جانے اس کی زندگی میں کیا تھا۔ تروتازگی.....یا کیکٹس.....!

اس کے وجود میں گرد باد بھنور بنانے لگے۔ ٹیالی اور دھند بھری ہواؤں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

زندگی کی گاڑی مشکل مرحلے سے نکل کر دشوار گزار راستے پر گامزن تھی۔ دونوں جانب گہری کھائیاں، ڈرائیونگ سیٹ پر انتقامی کارروائی کرنے والا ڈرائیور تھا اور.....اس کی زندگی۔

اس کی زندگی میں سے امنگ، ترنگ اور رنگ شاید ختم ہو گئے تھے اور روکھے پھیکے رنگوں کے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی۔ اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

❁❁❁

"یہ اتنی شاپنگ.....!" بیڈ پر بکھری چیزوں کو اندر آتے زریاب نے خاصا ٹھٹک کر دیکھا۔ "تم کتنی فضول خرچ عورت ہو۔" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"میں حرام نہیں کماتا جو یوں اڑاؤ....." آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"میں، میں..... وہ دراصل امی نے....." معاملہ اچانک تھا گھبرانا فطری امر۔ اور وہ شعلوں کے فرش پر کھڑا گھوم کر اس کے سامنے آیا۔

"یہ سب تم نے کس کے لیے خریدا ہے۔ کسے دکھاؤ گی پہن کر، کسے اپنی اداؤں سے گھیرو گی بولو، بتاؤ۔" اپنے سخت، کھردرے اور نوکیلے پنجے اس کے بازو میں گاڑے۔ وہ سماعت سے سن اور سنائے کی کیفیت میں رہی۔ شرم سے اس کی نظریں زمین میں گڑ گئیں۔ لب کھولنا ہتک اور کچھ بھی کہنا عبث تھا۔ انتقامی کارروائی میں کوئی کتنا گر سکتا تھا، اسے اندازہ تھا۔ زریاب بول رہا تھا۔ غبار نکل رہا تھا اور اس کی ذات کا اوزون متاثر ہوتا جا رہا تھا۔

"زریاب.....زریاب!" باہر سے پاپا کی آواز اسے رحمت کا فرشتہ لگی۔ ایک دم سے زریاب سنبھل کر فارم میں آنے لگا۔

"جی پاپا.....!" دروازے کی جانب بڑھا۔ سمیعہ بیڈ پر ڈھے سی گئی۔ دم بہ دم بدلتی شخصیت کے پیرہن اسے ڈرانے لگے۔ محبت وجود میں دم گھوٹنے لگی۔ وہ باہر نکل گیا۔ آنکھوں سے نکلتے آنسو دل کی سطح کو بھی بھگونے لگے۔

❁❁❁

"تو تمہارے ددھیال میں دعوت ہے۔ وہاں بھی کوئی کہانی سننے کو ملے گی۔ تیار تو تم بڑے دل سے ہوئی ہو۔"

آج صبح اس کے ددھیال سے تایا جان کا فون آیا تھا۔ رات کا کھانا ان کے ساتھ کھایا جائے۔ زریاب چونکہ ایمبیسی گیا ہوا تھا اس لیے اس کو فون پر بتا دیا گیا۔ اس نے شام کو تیار ہونے کا کہہ دیا۔ اب وہ پنک اور پرپل کنٹراس کے ایمبرائڈ سوٹ میں تیار تھی بس بال باندھنا باقی تھے کہ وہ آ گیا تھا اور تیار ہوتے ہوئے اس پر ریمارکس کسا۔ لمحہ بھر کو ہاتھ ٹھٹکے پھر متحرک ہونے لگے۔ بالوں میں کلپ لگا کر انہیں گوندھنے لگی۔

"چپ رہنے والا بڑا چالاک ہوتا ہے۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" قد آور شیشے میں سے

اسے گھورتا دل جلے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہ تھا اگر تھا تو دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اس کو سننا اور سہنا تھا۔ کردار پر تہمت ہو یا ذات پر بہتان۔

اور دادی کے گھر کی کہانی..... اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ خدا کرے ہمایوں آج نہ ہو۔ وہ قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی قصور وار تھی۔ محرومِ تمنا لوگوں کو محبت کرنے کا حق ہوتا ہے نہ چاہنے کا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا جانے کا مگر جانا تھا۔ تایا کا اصرار تھا۔ دھیرے سے پرس سائیڈ ٹیبل پر چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ اس کے لباس کے ہم رنگ پرس..... زریاب نے جاتے جاتے دیکھا، ٹھٹکا، اٹھائے یا گزر جائے۔ جانے کیا سوچ کر اٹھا لیا۔

باہر لاؤنج میں وہ سائرہ بیگم کے ساتھ کھڑی تھی۔ قدرے فاصلے پر علی اصغر کمپیوٹر پر مصروف تھے۔

''اب تم یہ کام بھی کراؤ گی۔'' قریب کر کر آنکھوں میں چاہت بھر کر اپنے کندھے سے اس کے کندھے کو ٹھوکا دے کر رومان پرور انداز میں کہا۔

''شکریہ!'' اس نے مسکرا کر پرس تھام لیا۔

''میری جان کس کس بات کا شکریہ ادا کرو گی۔'' جواب میں اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ سائرہ علی نے محبت سے دیکھا اور باہر نکلنے لگیں۔ ان کی بیٹی کے لیے ان کا انتخاب برا نہیں تھا۔

بعض اوقات قسمت تو بری ہوتی ہی ہے، بدنصیبی بھی ہم رکاب ہو جاتی ہے۔ دادا کے گھر سامنے ٹیرس پر ہی ہمایوں کھڑا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو ملگجا سا حلیہ۔ مرجھایا ہوا انداز۔ اس کے دل سے ہوک اٹھی۔ زریاب کی عقابی نظروں سے وہ ہیولا چھپا نہ رہ سکا۔ سب اس سے محبت بھرے انداز میں ملے۔ تایا ابو، اور تائی نے پیار کیا۔ خدیجہ، حفصہ، طاہرہ اور شیریں اس کے گرد تھیں۔ چچی کی طرار نظریں اس کے تعاقب میں رہیں۔ ہمایوں کی پُرشکوہ نگاہ سے وہ نظریں چراتی رہی۔ اس کی زندگی اس کے اختیار میں ہی نہیں تھی۔ بچپن سے اب تک تو وہ دوسروں کے فیصلوں پر جیتی رہی تھی۔ اس سے گلہ فضول

تھا۔

''ہماری بیٹی کا بہت خیال رکھنا برخوردار۔ ہمارے بھائی کی نشانی ہمیں بہت پیاری ہے۔'' زریاب سے سب محبت بھرے انداز میں ملے۔

''پھر آپ لوگوں نے اسے اپنی بہو کیوں نہیں بنایا؟'' ڈائننگ ہال میں موجود لڑکوں کو دیکھتے ہوئے زریاب نے بے ساختہ سوچا۔

''زریاب بہت اچھا ہے، سمیعہ کا بے حد خیال رکھتا ہے۔'' سائرہ علی نے محبت سے کہا۔

شادی سے پہلے بھی وہ یہاں دادی کے گھر کم کم آتی تھی۔ عید تہوار پر یا کسی کی شادی پر دادی بلوا لیتی تھیں۔ دادی کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ امی کو کسی پر اعتبار نہ تھا۔ نانو کسی نہ کسی بہانے سے آنے والوں کو ٹال دیتیں پھر تایا اکثر آ کر اسے مل جاتے۔ اسے محبت سے خرچہ دیتے۔ کچھ اور چاہیے کہہ کر محبت سے ساتھ لگا لیتے۔ اندر سے اس کی پلکیں بھیگ جاتیں۔ اگر ابو ہوتے تو ان کی خوشبو ایسی ہی ہوتی۔ مہربان اور پیار و خیال کرنے والی۔ طاہرہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ وہ اسے ہمیشہ اپنی چیزیں، اپنے ڈریسز دکھایا کرتی تھی جب بھی آتی تھی وہ۔

''تم خوش تو ہو نا۔'' ایک گمبھیر سی سرگوشی بیک سے ابھری۔ وہ بے ساختہ گھوم گئی۔ ہمایوں کھڑا تھا۔

''جی..... جی ہمایوں بھائی، بہت زیادہ۔''

''تم نے مجھ پر کتنا ظلم کیا ہے ظالم لڑکی..... میں دین کا رہا ہوں نہ دنیا کا.....'' اس کی آنکھوں کی سطح گلابی ہو رہی تھی۔

''ہمایوں بھائی جو ہو گیا اچھا ہوا۔ اس میں اس بے چاری کا کیا قصور۔ دادی ہوتیں تو شاید ایسا نہ ہوتا۔ چچی ایسا نہیں چاہتی تھیں۔'' طاہرہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

''بولنا، کچھ کہنا تو کبھی بھی نہیں آیا تھا۔ کسی نے بھی ہاتھ پکڑ کر چلایا نہیں تھا۔ بس اشارے سے سمجھا دیا تھا اس راہ چلو۔ بچ بچا کر دامن آلودہ ہو نہ دل۔ تمہیں بھی مجھ سے محبت نہیں ہوئی تھی۔'' ہمایوں طاہرہ کے تفصیلی جواب پر بھی مطمئن نہیں تھا۔ سمیعہ گڑبڑا گئی۔

''کہہ دیتیں تو مجھے قرار آ جاتا۔ کوئی ہے جو مجھے آباد رکھتا ہے، دلِ برباد کو ناشاد رکھتا ہے۔''

طاہرہ آؤ چلو۔'' وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ زریاب اس کی کھوج میں آ سکتا تھا اور وہ آ گیا۔ دروازے سے دانیال کے ساتھ اندر آ گیا وہ۔ سمیعہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ پرس ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ نانو کے گھر کی طرح یہاں بھی زندگی مشکل ہو گئی تھی۔

''بھئی یہ بور ہو رہے تھے بڑوں میں..... میں انہیں اندر لے آیا۔ زریاب بھائی بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، ان کی مجلس میں کوئی بور نہیں ہو سکتا۔'' اسے کاؤچ پر بٹھایا ہمایوں کے برابر میں۔ وہ بھی قدرے فاصلے پر ٹک گئی۔ ''ہو جائیں بھئی دو چار لطیفے۔'' دانیال تو ایسی محفل کا دلدادہ تھا۔

''کیوں نہیں.....!'' سمیعہ کو دیکھ کر خاص انداز میں مسکرایا۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ شک کی زرد ٹہنی پر ہمیشہ زرد شگوفے پھوٹتے ہیں۔ سرخ یا گلابی کلیوں کا عکس سوچنا بھی عبث ہے۔

''اور آپ کیا کرتے ہیں؟'' ڈائریکٹ ہمایوں کو دیکھا۔

''میں آرمی میں کیپٹن ہوں اب میجر بننے والا ہوں۔'' اعتماد سے کہا۔

''واؤ.....!'' توصیفی نگاہ اس پر ڈالی۔

''بھئی..... سمن..... تمہارے تھیال اور دوھیال دونوں میں ہی بڑی بڑی قابل ہستیاں موجود ہیں۔'' اس کی جانب جھکا اور وہ مسکرا کر چہرے پر جھولتی لٹ کو کانوں کے پیچھے کرنے لگی۔

''ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ۔'' اس کی طنزیہ نگاہ کو خوب جاننے لگی تھی۔ مگر اب اس کی خاموشی کو زبان نہیں ملنے والی تھی۔ سمیعہ طاہرہ کو دیکھنے لگی۔ دانیال اسے چھیڑ رہا تھا۔ معذرت کر کے ہمایوں باہر نکل گیا۔ سیدہ اور جبران اندر آ گئے۔ کمرے میں رونق لگ گئی۔ دانیال اور زریاب کی بذلہ سنجی اپنے عروج پر تھی اور اس کے روپ کا ایک اور در سمیعہ پر کھل رہا تھا۔ وہ بھی اس طرح ہنس

سکتا ہے۔ایک اور دوغلی پالیسی..... مسکراتے ہوئے ان کا ساتھ دے رہی تھی۔

''ہو گیا کتھارسس، کہاں کہاں ہیں تمہاری محبت کی کہانیاں بکھری ہوئی۔تم اتنی خوبصورت ہو تو نہیں جو یہ خوبصورت نوجوان تمہاری یاد میں آہیں بھر رہے ہیں۔''

واپسی کے سفر میں وہ اس کی جانب جھک کر سرگوشی کر رہا تھا اور سائرہ علی پیار بھرا انداز سمجھ کر مسکراتے ہوئے باہر دیکھنے لگیں۔اور سمیعہ کے دل کی کیفیت اس کانچ کے ٹکڑے کے مانند تھی جو ٹوٹ کر تیز دھار والا چھرا بن جاتا ہے۔قطرہ قطرہ گرتا لہو وجود کے اندر ہی اندر شریانوں سے باہر بہنے لگا۔رخ پھیر کر باہر دیکھنے لگی۔دل شکنی کے بعد دلجوئی کے ہزار طریقے اختیار کر لیے جائیں مگر گھاؤ بھرنے میں زمانے لگ جاتے ہیں۔

گھر آ کر اسے کچوکے دیتا رہا۔اپنی جانب سے نام نہاد کہانی بنا کر اسے سناتا رہا۔اپنی صفائی میں کہنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔کہتی بھی تو کیا۔اور اس کے لیے گواہی دینے والا کوئی نہیں۔اس رات سلگتے وجود کے ساتھ وہ ٹیرس پر جاگتی رہی۔اپنے کان بند کر لے، آنکھیں سی لے، احساسات پر پہرا بٹھا دے، محسوسات کو دفن کر لے.....تو.....تو زندگی کیسے گزرے گی؟

❄❄❄

''ہیلو.....!'' بیل کی آواز پر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہاں.....ہیلو، میں اسفر بول رہا ہوں۔کیسی ہو؟''

اور دوسرے کمرے سے ریسیور اٹھاتا زریاب چونک گیا۔

''اسفر بھائی کوئی کام تھا۔'' اس کا لہجہ سادہ اور شفاف تھا۔

''ہائے تم نے کسی قابل چھوڑا کب ہے کیا، کیا خواب نہ دیکھے تھے۔''

''اسفر بھائی میں نے پہلے بھی منع کیا ہے فضول باتیں مت کیا کریں اور انسان بنیں۔'' زریاب باہر آ گیا۔سمیعہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔زریاب نے آگے بڑھ کر ریسیور کھینچ کر کان کے ساتھ لگا لیا۔ایک لمحے کو وہ کانپ گئی۔جانے کیا بکواس کرے۔

''اب تو زندگی میں خوشی کی کوئی امید بھی نہیں رہی تھی۔'' وہ دھیرے سے پلٹی۔زریاب کا چہرہ سرخ تھا۔اس نے سن کر ریسیور پٹخ دیا۔اسے لہو رنگ آنکھوں سے گھورا۔

''یہ کہانیاں، یہ داستانیں ساتھ جائیں گی کیا؟''

''ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔جانے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''یہ خوب کھل کر کھیلنے کا نتیجہ تھا۔جانے پاک دامن بھی ہو یا نہیں۔'' پاؤں پٹخ کر کچوکے لگاتا اندر چلا گیا۔وہ زمین میں گڑنے لگی۔شوہر کو اس کی پاکی دامن پر بھی شک تھا۔اس کا وجود سلگنے لگا، جانے اور کتنے کچوکے تھے، اب تو ہر قدم پر ہی ٹھٹکنا تھا۔

❄❄❄

کل ان سب کی فلائٹ تھی۔تیاری، پیکنگ سائرہ علی نے کی۔ساتھ ساتھ اسے سمجھاتی جا رہی تھیں۔

''اصل زندگی تمہاری لندن کے اس اپارٹمنٹ میں شروع ہو گی وہاں تمہیں سمجھانے والا کوئی نہیں ہو گا۔اپنی محبت اور زریاب کی چاہت کے ساتھ مل کر اسے حقیقت بنانا۔جلنے والے تمہارے اتنے اچھے مستقبل سے جل کر خاک ہو رہے ہیں.....تمہاری تائی کہہ رہی تھیں۔میرے ہمایوں میں کیا کمی تھی۔اسے کتنا دکھ ہے۔اونہہ کمی.....پیسے کے بغیر عورت ترس کر رہ جاتی ہے۔جو کچھ زریاب کے پاس ہے وہ کسی کے پاس نہیں، دولت، آسائش، مراعات، خوبصورت گھر اور پرکشش جاب .....سب کچھ اس کا ہے تم اکیلی حکمران۔میں کیسے تمہارا مستقبل تاریک کر دیتی۔'' سمیعہ ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

ان کی پلاننگ بہت دور کی تھی اور زریاب..... لمحوں میں فیصلہ کر کے اس کے منہ پر دے مارتا تھا۔اسے حکمرانی کی نہیں محبت کی خواہش تھی۔محبت جو اسے کبھی نہیں ملی اور شاید اس کے لیے تھی ہی نہیں۔

''اے عورت! تم نے میرا اعتماد چھین لیا، اس بیٹی کو میں تمہارے لیے رستا ہوا ناسور بنا دوں گا۔تم نے

میرے ساتھ ظلم کیا۔ مجھ سے میرا آپ چھین لیا، میں تم سے تمہاری ذات کا اپنا پن چھین لوں گا۔ تمہاری بیٹی کو ان ..... ان اذیتوں سے گزاروں گا جن سے میں گزرا ہوں۔ تمہیں تمہارے لیے ہی لحۂ عبرت بنا دوں گا۔“

بے چینی سے دل کو مسلتا ..... ب کو سنتا زریاب ٹیرس پر آ گیا اور سگریٹ پھونکتا لائٹر کو جلاتا بجھاتا، سوچ سوچ کر دل کو جلاتا رہا۔ ماضی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا اسے سسکاتا رہا۔

ایئرپورٹ پر تایا ابو، تائی امی آئے تھے۔ اسے بہت پیار کیا۔ ننھیال سے اصغر اور فرہاد آئے تھے۔ سمیعہ چڑ کر رہ گئی۔

پہلی فلائٹ سے علی اصغر اور سائرہ علی چلے گئے۔ ڈھیروں تاکید، ڈھیر سارا پیار ..... اور فون کرنے کا وعدہ۔ دو گھنٹے کے بعد ان کی فلائٹ تھی۔ اصغر کی ذومعنی نگاہوں سے کترا کر وہ تائی امی سے باتیں کرتی رہی۔

فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو دونوں کھڑے ہو گئے۔ الوداعی ملاقات کے بعد زریاب ٹرالی گھسیٹ کر آگے بڑھا تو اپنا بیگ تھام کر سمیعہ پیچھے بھاگی۔ جہاز میں بیٹھ کر اسے بے حد ڈر لگا۔ اس کا دل رکنے لگا۔ اپنے ملک سے، اپنے رشتوں سے دور ہونا بچھڑنا ..... مگر اس کا اپنا ہے ہی کون۔ سر نشست سے لگا کر چور نظروں سے برابر کی سیٹ پر براجمان زریاب کو دیکھا جو سامان سیٹ کرنے کے بعد اپنی سیٹ پر آرام دہ حالت میں دراز ہیڈ فون کانوں سے لگائے موسیقی سے لطف اندوز ہوتا اس سے لاتعلقی اختیار کیے بیٹھا تھا۔ اسے تو اس شخص سے بھی اپنائیت کا دعویٰ نہیں ہے۔ دھیرے سے آنکھیں موند لیں۔

رشتوں کی مالا ٹوٹ جائے تو موتی بکھر ہی جاتے ہیں۔ وقت سمیٹے تو سمیٹے۔ کس کی قسمت میں آس آئے یا نراس۔ جانے کتنا وقت گزر گیا بیٹھے بیٹھے سو گئی ..... آنکھ کھلی تو کھانا سرو ہو رہا تھا۔ بھوک کا احساس جاگا۔ وہ کھانے کے لیے زندہ نہیں تھی۔ زندہ رہنے کے لیے کھاتی تھی۔ شکم سیری کر کے زریاب پھر موسیقی میں مگن ہو چکا تھا۔ اسے اس کے ہونے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے ہونے کا مقصد کیا تھا۔ انتقامی جذبہ، حسد و رقابت کی آگ، احساسِ محرومی۔ نظر بھر کر اس کی بند پلکوں کو دیکھا اور سر گھما کر سامنے دیکھنے لگی۔

”مجھے تم سے محبت ہے، بہت محبت! یہ احساس میں کسی سے شیئر نہیں کر سکتی۔ میں نے اوائل عمر سے تمہارے احساس کو محسوس کیا ہے۔ تمہاری تنہائی کو شیئر کیا ہے۔ مجھے تم ہمیشہ اپنے جیسے لگے۔ ڈرے، سہمے، خوفزدہ۔ ہم دونوں کا دکھ ایک ہے مگر انداز، اظہار اور محسوس کرنے کا جذبہ مختلف۔ تم بیرون بین ہو اور میں دروں بین۔ تم مجھے کتنی بھی اذیت دے دو، دار پر چڑھا دو، سولی پر لٹکا دو میں اف نہیں کروں گی۔ میں نے پڑھا ہے ذات کی کتھارسس دل کا بوجھ ہلکا کر دیتی ہے اور جب شانوں سے غیر ضروری سامان اتر جائے تو سکون مل جاتا ہے۔ تم پر ابھی محبت کے دروازے وا نہیں ہوئے۔ ہو سکتا ہے .....؟

سمیعہ نے تھکی ہوئی بوجھل پلکوں کو موند لیا۔ میں ہی وہ لڑکی ہوں جو تمہیں محبت کرنا سکھا دے ..... تھکا ہوا سانس وجود سے باہر نکلنے لگا۔

❊❊❊

پندرھویں منزل پر بنے تین کمروں کے لگژری اپارٹمنٹ میں زریاب کے ہمراہ قدم رکھا تو تھکا ہوا وجود نیند سے بوجھل تھا۔ اپنے سوٹ کیس گھسیٹ کر زریاب اپنے کمرے میں لے گیا۔

”سنو، میں تم سے اپنا کمرا شیئر نہیں کروں گا۔ اپنے بیگز تم ڈریسنگ روم میں رکھو اور لاؤنج میں بستر ڈال لو۔ اس سے پہلے تم میرے لیے کچھ کھانے کو بنا دو۔“ حکم شاہی فرما کر وہ اپنے بیڈروم میں روپوش ہو گیا۔ اپنا کوٹ اور اسکارف اتارتے اتارتے ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔ اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے۔ ایسی وے سمیعہ افتخار احمد کو اپنا بوجھ بچپن سے خود ہی اٹھانے کی عادت ہے۔ اسے گلہ نہیں تھا تو ملال بھی کیوں ہوتا۔ اپنے سوٹ کیس گھسیٹ کر ڈریسنگ روم میں رکھے۔ امی نے بھی جانے کیا، کیا بھر دیا ہے۔ مجھے تو چند جوڑے ہی بہت ہیں۔ حزن زدہ سی مسکراہٹ نے ہونٹوں کو چھوا۔

UrduPhoto.com

ای نگاہ ان سوٹ کیسز پر ڈال کر باہر نکل آئی۔ کچن سے نوڈلز ملے۔ فریزر میں سے مٹر اور سبزیوں کا ملا۔ اس نے تیار کر کے ڈش میں نکالے اور بیڈ روم کیا۔ اسے نوڈلز کبھی پسند نہیں آئے مگر ان سب کی ائش پر بناتی تھی اور بہت اچھے بنانے لگی تھی۔ پانی کی رکھ کر جانے لگی۔

''میری اجازت کے بغیر تم کچھ نہیں کھاؤ گی۔''

اس کے قدم رک گئے، مڑ کر اسے دیکھا۔ بڑی رغبت سے نوڈلز کھا رہا تھا ''سوائے پانی کے۔''

''ٹھیک ہے.....'' آگے بڑھ کر لاؤنج میں چلی گئی۔ سامنے دریچے کے پردے کھنچے ہوئے تھے۔ باری تیزی سے ہو رہی تھی۔ روئی کے ننھے ننھے سے گالے اوپر سے آ کر نیچے گم ہوتے جا رہے تھے۔ دریچے کے قریب قدم رک گئے۔ سپید برف کے گالے ہی گالے تھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلندی بہت زیادہ تھی۔

''مجھے بھی ہوسٹل میں اجازت لے کر کچھ کھانا دیا جاتا تھا۔ میں دنیا کے امیر ترین آدمی کا بیٹا، ہوسٹل میں تمہاری ماں کی وجہ سے رہا اور معمولی معمولی چیزوں کے لیے ترستا..... اب میں اس ظالم جادوگرنی کی بیٹی کو اسی طرح سے ترساؤں گا..... زندگی کی خوشیوں کے لیے۔''

اس کی گمبھیر آواز اس کے پیچھے سے ابھری۔ سمیعہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ مڑ کر دیکھے۔ وہ شاید کافی بنا رہا تھا۔

میں چیزوں کے لیے ترستی نہیں ہوں، صبر کر لیتی ہوں، زندگی میں سب کو سب کچھ ہی تو نہیں مل جاتا۔

''تمہارا اس دنیا سے رابطہ صرف میرے حوالے سے ہے۔ فلیٹ کی اس منزل سے کچھ نظر نہیں آئے گا تمہیں۔ احساسِ تنہائی کی مار ماروں گا تمہیں۔'' اب وہ ایزی چیئر پر بیٹھا اسے سزا سنا رہا تھا۔

مجھے کسی رابطے کی ضرورت نہیں ہے تم سے تم تک کا رابطہ ہی چاہیے۔

''اب میں سارہ بیگم کی زندگی اجیرن کر دوں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ تم نے ایک بچے کا بچپن چھین کر کیا، کیا ہے۔'' وہ آج ہی سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا۔ سمیعہ سن رہی تھی، اس پر سفر کی تھکاوٹ غالب آ رہی تھی۔ اسے نیند کی خواہش محسوس ہو رہی تھی مگر زریاب عدالت سمیٹنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ انتہائی خشونت بھرے انداز میں اسے دیکھتا اسے کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی زمین بوس تھی کیا سر اٹھاتی۔

''ادھر زمین پر میٹرس بچھا ہے۔ اس حدود سے باہر مت نکلنا۔ اس فلیٹ کی صفائی کا خاص خیال رکھنا۔ کبڈ میں میرے میلے کپڑے پڑے ہیں دھو کر پریس کر دینا۔ کل سے میں نے آفس جوائن کرنا ہے اور سنو وہاں ریک میں میرے شوز رکھے ہیں انہیں پالش کرنا مت بھولنا۔'' اس کی نیند بھک سے اڑ گئی۔ تھکن کا گمان تک نہ تھا۔

''اور یہ سب کام تم نے کرنے ہیں۔'' اس نے انگلی سے اس کی جانب اشارہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں سونے جا رہا ہوں۔'' اپنا کافی کا مگ لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ دھیرے سے دو قدم چل کر میٹرس پر گر گئی۔

''یہ سب تو طے تھا پھر.....'' اس کا ذہن خالی ہو رہا تھا۔ دھیرے سے دل کو مسلا..... یہ دکھ سا کیوں ہو رہا ہے۔ امیدیں کیوں جھلملا رہی ہیں۔ بستر پر چت لیٹ گئی۔ خالی نظروں سے وہ چھت کو دیکھتی رہی۔ اور جانے کب دکھ کی چادر اوڑھے سو گئی۔ دریچے پر برف گرتی رہی، کہر بڑھتی رہی، پورے لندن کو دھند نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

صبح آنکھ کھلی تو صبح کی روشنی دریچے سے جھلک رہی تھی۔ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ یہاں کہاں اذان کی آواز اب تو گھڑی سے نمازوں کے اوقات طے ہوں گے۔ گہری خاموشی نے ہر چیز کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ زریاب شاید اب تک نہیں اٹھا تھا۔ گھڑی پر نگاہ کی چھ بج رہے تھے۔ اٹھ کر وضو کیا اور کاؤچ کے قریب آ کر اندازے سے قبلے کا تعین کر کے نماز ادا کی اور پھر جانے کب تک تسبیحات میں مشغول رہی یہاں تک کہ اسے اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہونے لگی۔ کچن، لاؤنج، کمرا..... اس نے آمین کہہ کر نماز ختم کر دی۔

''ناشتا!'' وہ کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔

''ہاں کافی بنا دو..... آفس میں کرلوں گا۔'' وہ کچن کی جانب بڑھی۔

''اچھا رہنے دو..... دودھ ہوگا نہیں، کافی کا ٹن پرانا ہوگیا ہوگا۔'' کف بند کر کے موزے پہنے، کھڑے ہو کر کوٹ پہنا اور پیروں میں جوتے پھنسا کر اپنا بریف کیس چیک کرنے لگا۔ قد آور شیشے میں اس کے خدو خال اس کے وجیہہ ہونے کا درشن دے رہے تھے۔ دھیرے سے نگاہ چرائی۔

بریف کیس جھٹکے سے بند کر کے اپنا سیاہ لیدر کا بیگ چیک کیا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے گاڑی کی چابی، لائٹر، والٹ اور سیل فون اٹھا لیا اور اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر اس کے قریب سے گزر کر چلا گیا۔ مڑ کر دیکھا۔ داخلی دروازہ کھلا اور پھر دھاڑ سے بند ہوگیا۔ اگلے لمحے کلک کی آواز آئی اور وہ تین کمروں کے سپر لگژری فلیٹ میں محصور ہوگئی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

پندرھویں منزل پر بنے اس فلیٹ میں رابطے کا واحد ذریعہ زریاب تھا۔ وہ دھیرے سے لاؤنج کے دریچے کے قریب آ گئی۔ باہر کا موسم کہر آلود تھا۔ دس بج رہے تھے مگر صبح کا منظر لگ رہا تھا۔

اگر زریاب گھر آنا بھول جائے تو ..... تو..... چونکی اور کتنی دیر تک کھڑی رہی۔ اسے بھوک کا احساس ہوا..... پلٹ کر کچن میں آئی۔

''تم میری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کھاؤ گی.....'' فریج کھولتے اس کے ہاتھ بند کرنے لگے۔

''میں تمہاری جانب سے ملنے والی ہر سزا کو دل پر سہوں گی اور تمہارا کتھارسس کروں گی۔ میرے لیے نہ سہی تم دوسروں کے لیے ایک اچھے اور شائستہ انسان بن سکو اور زندگی کو محبت سے گزار سکو۔'' پلٹ کر اپنے بیگ تک آئی اور بسکٹ کا ڈبا نکال کر کھولنے لگی۔ امی نے کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی تھیں۔

''امی وہاں سب کچھ ملے گا؟'' منہ میں بسکٹ رکھتے ہوئے آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''ہاں سب کچھ ملے گا مگر اپنے وطن کی یہ چیزیں، یہ مٹھائیاں، نمکو، بسکٹ، خشک میوے بہت یاد آتے ہیں انہیں کھاتے ہوئے اپنی ماں کو ضرور یاد کرنا۔ میں تم سے دور ضرور رہی ہوں مگر غافل نہیں۔'' بسکٹ کھا رہی تھی گلا رندھ رہا تھا، مژگان بھیگ رہے تھے۔

''مجھے..... مجھے یقین آ گیا ہے امی! مائیں کبھی بھی اولاد کو نہیں بھولتیں، ان سے غافل نہیں ہوتیں آپ کی یہ محبت جانے میرے کتنے دن کام آئے گی۔'' چند بسکٹ کھا کر ڈبا بند کر دیا۔ گلاس پانی کا بھر کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

اٹھ کر پورے گھر کا جائزہ لیا۔ ہر چیز نک سک اور قرینے سے رکھی تھی۔ گردکی دبیز تہ نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس نے پورے فلیٹ کی صفائی کی۔ گندے کپڑوں کو سمیٹ کر واش روم میں رکھا مگر کہیں واشنگ مشین نہ نظر آئی۔ اور پانی بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس کے بعد کچن میں آ کر جھاڑ پونچھ کی۔ میلے برتنوں کو دھویا۔ گھر اپنا گھر کا احساس اسے خوشی سے ہمکنار کر رہا تھا۔ آج نہیں تو کل۔ ننھا سا دیا اس نے بیڈ روم کے کونے میں چپکے سے سجا دیا۔ شاید روشن ہو جائے اور اس کی زندگی میں روشنی بکھر جائے۔ گھڑی دیکھ کر اس نے کچن کھنگال کر مٹر پلاؤ دم دے لیا..... اور جب اندازے سے گھڑی دیکھ کر مغرب کی نماز پڑھ رہی تھی ہر سو ایک چپ ایک خاموشی تھی۔ دریچے سے باہر آسمان سے اترتا اندھیرا لندن کے کہر زدہ موسم کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا، ہلکی سی آہٹ سے داخلی دروازہ کھلا۔ دھیرے دھیرے تسبیح کے دانے گراتی انگلیاں ٹھٹک گئیں۔ وہ ایک ترچھی نگاہ ڈال کر بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا چند لمحوں بعد۔

''یہ..... یہ.....'' شعلہ جوالہ بنا اس کے سر پر کھڑا تھا۔ کمر پر ہاتھ رکھے۔ کوٹ اتار چکا تھا ٹائی کی ناٹ ڈھیلی تھی۔ ''کپڑے کیوں نہیں دھلے.....؟''

''پانی نہیں آ رہا تھا پھر ڈرٹی جنٹ.....'' اس کا غصہ جھاگ بن گیا۔

''جوتے پالش.....؟'' تیکھے ابرو سے دیکھا۔

''برش نہیں مل رہا تھا اور پالش نہیں تھی براؤن۔''

کی جانب گھوم گیا۔
"مجھے چائے بنا کر دو سامان لایا ہوں میں۔"
لہجہ گہرا لہجہ تھا۔
"کھانا.....!" کچن کی جانب جاتے جاتے
پھر کو سوچا۔
"لے آؤ.....!" ٹیبل پر بیٹھا۔ پلیٹ میں مٹر
نکال کر اس نے بیگ سے اچار کی بوتل نکال کر اس
آگے رکھی۔
"یہ کہاں سے آیا؟" تیکھی نگاہ اس پر ڈالی۔
"امی نے سامان کے ساتھ دیا تھا۔" مسکراہٹ
کے اندر دم توڑ گئی۔ امی کا شرارتی لہجہ اس کی
سماعت میں رقص کر رہا تھا۔
"یہ اچار رکھ لو۔ چند ماہ بعد ضرورت پڑے گی۔
کے اچار اتنے مزے کے نہیں ہوتے۔" اور وہ
سائرہ علی کی بات سن کر مسکراتی رہی تھی۔ دل میں آہ سی
بھری تھی مگر بھرم ضروری تھا سو مسکراتی رہی۔
"کیسا گزرا آج کا دن..... مس سمیعہ افتخار۔"
اس کا انداز طنزیہ تھا اور آنکھوں میں تحقیر آمیز چمک تھی۔
"مصروفیت میں پتا ہی نہیں چلا۔" ایک نگاہ اس
پر ڈالی پھر پانی اور گلاس لینے ہٹ گئی۔
"چلے گا..... ضرور پتا چلے گا..... میں تمہیں پتا
چلواؤں گا۔ تنہائی کی اذیت کا، اکیلے پن کا، جدائی کا
اور..... سسک سسک کر جینے کا۔" چاول کی پلیٹ میں
چمچہ چلاتے ہوئے اسے سنا رہا تھا۔
"مجھ سے زیادہ کون اس تنہائی کی اذیت، اکیلے
پن کے خوف اور دہشت سے واقف ہوگا۔" پلٹ کر
ایک نگاہ اس پر ڈالی اور دوسری نگاہ اس کی پشت پر نظر آنے
والے بام و در پر۔
یہاں لٹ جانے کا خوف نہیں ہوگا، چھن جانے کا
احساس نہیں۔ رشتہ تو ہے نا، مگر وہاں؟ ایک جھرجھری
اس کے وجود میں پھر سی گئی۔ وہ کھانا کھا رہا تھا سمیعہ ایسے
ہی کچن میں ادھر سے اُدھر ہاتھ مارتی رہی پھر کافی کے
لیے پانی رکھا، باہر جھانکا تو وہ کھانا کھا چکا تھا، پلیٹ میں
کافی مقدار میں چاول بچے ہوئے تھے۔ دل میں بھوک
کا احساس جاگا۔ اسے کافی کا مگ لاؤنج میں دے کر
باہر آئی اور دوسری چیئر پر بیٹھ کر پلیٹ اپنے آگے کر لی۔
اس نے کھانے سے منع کیا تھا جھوٹا کھانے سے نہیں۔
ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے زریاب نے اس پر نگاہ کی۔
خاموشی سے سر جھکائے اس کے بجائے ہوئے کھانے کو
منہ میں ڈالتی گہری سوچ میں گم تھی۔ سر جھکانے سے
ایک لٹ رخسار سے کھیل رہی تھی۔
یہ لڑکی..... دل میں کئی احساسات سر اٹھانے
لگے۔ نفرت، کدورت، حسد، مفاہمت، ہمدردی.....
ہمدردی تو کبھی بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔
یہ اس عورت کی بیٹی تھی جس نے اس کا باپ
چھینا۔ گھر بار چھینا، محبت چھینی اور ایک نفسیاتی مریض بنا
دیا۔ جس نے محبت کے ہر روپ کو ترسی ہوئی نگاہ سے
دیکھا۔ اس کی زندگی میں محبت تھی ہی نہیں۔ محبت کسے
کہتے ہیں اسے خبر ہی نہیں۔ اونہہ! محبت ہوتی بھی ہے یا
نہیں۔ سر جھٹک کر وہ ریموٹ سے چینل سرچنگ کرنے
لگا۔
آج کل سمیعہ لندن کے دن اور رات دیکھ رہی
تھی۔ پندرھویں منزل سے زمین کی زندگی نظر بھی کیا
آسکتی ہے۔ نکلتے سورج اور ڈھلتے چاند سے دن و رات
کا پتا چلتا تھا۔ زریاب اس کے وجود سے غافل نہیں تھا۔
اسے کچوکے لگاتا اور دل فگار کر دینے والے جملے کہتا اور
وہ بس سنتی رہتی۔ یہاں آکر اسے ہنستے دیکھا ہی نہیں
تھے۔ اسے یہاں آئے کتنے دن ہو گئے تھے اسے یاد
نہیں تھا اور پھر حساب کتاب کر کے کرنا بھی کیا تھا۔ نہ
آگے جانا تھا نہ کسی کے لیے پیچھے پلٹنا تھا۔ اس کی ساری
نادیدہ کشتیاں جل چکی تھیں اور نہ اسے کوئی ایسا اہم کام
کرنا تھا جو دنوں کو یاد رکھتی۔
کیا امی کی محبت بھی عارضی تھی۔ اس کے مستقبل کو
روشن کرنے کے لیے زریاب نام کا دِیا اسے پکڑا کر
بھول گئی تھیں۔ ان عارضی دِیوں سے بھلا زندگیاں
روشن ہو سکتی ہیں۔ تبھی چونک گئی۔ دریچے سے باہر کچھ
پرندے اڑتے نظر آئے۔ زندگی کا احساس..... ایک
خوشگواریت کا احساس وجود میں سرایت کر گیا۔ وہ ایسے

UrduPhoto.com

بچے کے مانند اسے دیکھنے لگی، جو پہلی بار کسی چڑیا، طوطے اور کبوتر کو دیکھے اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بلندی سے پستی کی جانب پرواز کرتے پرندوں کو دیکھ کر آنکھیں بھیگنے لگیں۔

میرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے
یہ روشنی کے تعاقب میں بھاگتا ہوا دن
جو تھک گیا ہے تو اب اس کو مختصر کر دے
ستارہ سحری ڈوبنے کو آیا ہے
ذرا کوئی مرے سورج کو باخبر کر دے

میرا سورج! افتخار عارف کی غزل کے مصرعے ذہن میں خود بخود ہی گنگنا رہے تھے۔

ذرا میرے سورج کو کوئی باخبر کر دے...... بے ساختہ مڑ کر چہار جانب دیکھا۔ غیر معمولی خاموشی، گہرا جادو سا ساکت سناٹا سر نہوڑائے اونگھ رہا تھا۔

مرا سورج نہ نکلے تو کیا ہوگا
یہ در نہ کھلے تو کیا ہوگا

میرے سورج کو کوئی حادثہ پیش آ جائے ...... تو ......تو۔

میری زندگی کا چاند اسی تین کمروں کے لگژری فلیٹ میں ڈوب جائے گا۔ دھیرے سے میٹرس پر گر گئی۔

گہنا تو چکا ہے چاند ڈوب جائے تو کیا ہوگا۔ بے دردی سے سوچ ابھری۔ کسی کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ ایک ستارہ سحری شب گزیدہ ہو گیا۔ ایک حزن سا چہرے پر بکھر گیا اور امی...... دھیرے سے آنکھیں موندیں تو ماں کا چہرہ سامنے تھا۔ میری دعا ہے آپ کی خوش فہمیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔

آہٹ پر کسی کے ہونے کا گمان ہوا تو جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ دوسرے لمحے سیدھی ہوئی، دروازے میں زریاب ایستادہ تھا، چہرے پر رعونت بھرے تاثرات۔

''یہ کس کی یاد میں آنسو بہائے جا رہے ہیں۔ کس محبت کے کھونے کا سوگ ہے؟'' کس احساس سے پلکیں نم ہوئی تھیں اور وہ جانے کس گمان میں مبتلا کیا کہہ رہا تھا۔ ہڑبڑا گئی۔

''پرانی محبتوں کو یاد کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔'' اس کے سامنے پاؤں پھیلا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں سے نکلتے آنسو اب اندر ہی اندر گر رہے تھے۔

''اور یہاں تو ہے بھی آزادی۔'' بڑی فخریہ نگاہ اس پر ڈالی وہ کسمسا کر رہ گئی۔ ''اسفر کی یاد ہے یا ہمایوں کی محبت یا پھر نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔'' وہ شاید پرانے حساب چکانے کے موڈ میں تھا۔ سمیعہ سر جھکائے ہتھیلیوں کی ریکھائیں دیکھتی رہی۔ اس بدگمان شخص کی کسی بات کا اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ خاموشی مثبت ہوتی ہے یا منفی یہ سمجھنے والے پر منحصر ہوتا ہے۔

''سنو......!'' اچانک زریاب کی آنکھیں بلی کے مانند چمکنے لگیں۔ ''یہ لو......!'' موبائل اس کی جانب اچھالا۔ ''اپنی ماں کو فون کرو اور بتاؤ کہ میں تم پر کتنا ظلم کرتا ہوں اور تم یہاں کتنی اداس، اکیلی اور تنہا ہو۔'' اچانک ہی وحشت بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔ سمیعہ حواس باختہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''لو...... ملاؤ...... نمبر...... اس عورت کو بھی پتا چلے کہ جس نے کسی کا بیٹا تنہا کر دیا تھا آج اس کی بیٹی کتنی اکیلی ہے۔''

''نا...... نہیں۔'' وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔

''ملاؤ......! میں کہتا ہوں۔'' چیختا ہوا سر پر کھڑا ہوا۔ وہ خوف سے سمٹ کر دیوار سے جا لگی۔

''اگر تم نے فون نہیں کیا تو میں تمہاری آوارگی کی داستان خود انہیں سناؤں گا اور نیٹ پر دکھاؤں گا...... یا......!'' اس کا دم گھٹنے لگا۔

''م...... مگر میں......''

''میں کہتا ہوا......'' اچانک ہی اس پر جنون اور دیوانگی سی سوار ہونے لگی۔ سمیعہ کو بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر دو تین تھپڑ مار دیے۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔

''ملاؤ نمبر...... اور بتاؤ میری درندگی کے متعلق۔'' نمبر ملا کر سیل فون اس کی جانب بڑھایا۔

کال ملائی جا چکی تھی۔ رابطہ بحال تھا۔ خوف دامن گیر ہونے لگا۔ امی کچھ نہ سنیں۔ زریاب کی بدگمانی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کا عقدہ ان پر نہ کھلے۔ یا اللہ بھرم رکھنا۔ خوف سے کپکپا گئی۔ وہ جلاد بنا سر پر کھڑا تھا۔ دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔ آنچل کا کونا خون آلود ہو گیا۔ دکھ اور اذیت سے اس کا دل بھر گیا۔

''بولو..... ورنہ.....'' زریاب نے مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔

''ہیلو..... امی.....''

''ہاں ہیلو سمیعہ کیسی ہو..... بیٹا تم نے فون ہی نہیں کیا زریاب سے ہی تمہارے پپا کی بات ہوتی ہے۔ تم ٹھیک تو ہو نا، لگتا ہے مصروفیت زیادہ ہے۔ کہیں گھومیں پھریں۔'' امی کی آواز میں خوشی کا عکس ہلکورے لے رہا تھا۔ اس کی ہمت کی طنابیں ڈھیلی پڑنے لگیں۔

''میں آپ کو یاد کرتی ہوں آپ کیسی ہیں؟''

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں، سنو اپنے تایا کو فون کر لینا۔ نانو بھی تمہارا پوچھ رہی تھیں۔ وہ سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔''

''جی!'' اس کے آنسو رخساروں پر گر رہے تھے۔ گلا بھرا رہا تھا۔

''زریاب کہاں ہے؟'' لہجے میں کھنک تھی۔ ویسی کھنک جیسی ماؤں کے انداز میں ہوتی ہے بیٹیوں کو اچھی جگہ بیاہ کر۔

''زریاب اِدھر ہی ہیں۔''

''اس کا بہت خیال رکھنا، بہت اچھا، نیک، سعادت مند بچہ ہے، تم خوش ہو نا؟''

''جی.....!'' آنسوؤں کا ریلا تھا جو بہہ نکلنے کو بے تاب تھا۔ ''بہت خوش ہوں بس کبھی کبھی تنہائی سے گھبرا جاتی ہوں.....'' سسکیوں کو اپنے اندر روک لیا۔

''وہ آفس میں ہوتے ہیں۔'' لب بھینچے پیشانی پر شکنوں کا جال ڈالے کمر پر ہاتھ رکھے وہ اسے گھورتا رہا۔

''گھر کے کاموں میں خود کو بہلا لو۔ نیچے شاپنگ مال میں نکل جایا کرو۔ نیٹ پر مصروف ہو جاؤ۔ کمپیوٹر دیکھو، ٹیلی ویژن بھی ہے نا گھر میں، پاکستان فون کر لیا کرو۔'' وہ اسے مصروف رکھنے کے کام بتا رہی تھیں۔

''میرے پاس اتنا حرام کا پیسہ نہیں ہے۔''

زریاب نے ہاتھ بڑھا کر سیل لے کر آف کیا۔

''خبردار جو میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا۔'' مارنے کو بڑھا ''اور تم نے اسے بتایا کیوں نہیں کہ میں نے تمہیں مارا ہے، اذیت دی ہے، تمہیں خوش نہیں رکھتا۔'' سمیعہ نے اپنے آنسوؤں پر سسکیوں پر کنٹرول کیا۔

''میں بہت خوش ہوں..... میں انہیں نہیں بتاؤں گی۔''

''کیوں، کیوں'' ایک لمحے میں اسے دھنک دیا۔ ''کیوں نہیں بتاؤ گی..... تمہیں بتانا پڑے گا۔'' وہ شاید تھک گیا تھا۔ اس پر عصیلی نگاہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔ دوزخ سے نکل کر برزخ میں آ گئی تھی۔ محبت کا احساس تو اس کے دل میں تھا۔ اس کی یکطرفہ محبت سے زندگی نہیں بسر ہو سکتی تھی۔

ایک بدگمان شخص کے دل سے بدگمانی کے پتے کیسے جھڑ سکتے ہیں۔ جب تک وہ خود نہ چاہے اور زریاب.....! مسلسل رونے سے آنکھیں متورم ہو گئیں۔ اور زریاب کے دل میں دہکتا ہوا الاؤ روشن ہے جب تک یہ الاؤ سرد نہیں ہو جاتا زندگی اس سے اسی طرح روٹھی رہے گی اور یہ الاؤ کیسے سرد ہو سکتا ہے۔ وہ اسے لندن صرف اپنے دل کی انتقامی کارروائی پوری کرنے کے لیے لایا تھا اور شادی بھی اسی مقصد کے لیے کی تھی مگر کب تک..... اسمیعہ کی سسکیاں بھی تھم گئیں۔

اس کے بعد کیا ہو گا۔ انتقامی کارروائی کی آخری حد، آخری شق کیا ہو گی۔ اس کی سزا میں تخفیف، دوسری شادی، اس کی رہائی کا پروانہ یا..... دکھے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا۔ یا اس کی موت..... مگر وہ زندہ کب ہے؟ دوسروں کے لیے گزاری زندگی میں اس کا حصہ کتنا ہے۔ ننھیال میں تھی تو دوسروں کے کام میں آگے آگے کہیں اس سے کوئی کوتاہی کوئی حکم عدولی نہ ہو جائے۔ ممانیوں کے ماتھے پر بل نہ پڑیں، تائی اور چچی خفا نہ ہوں۔

امی نے کہا میں نے تمہاری شادی زریاب سے طے کر دی ہے۔ وہ چپ ساکت انہیں دیکھتی رہی۔ اس کی مرضی اس کی رضا پوچھے بغیر۔ امی نے یہ بتا دیا تھا کہ اس میں اس کی بھلائی اور بہتری ہے۔ بے شک

UrduPhoto.com

زریاب کے نام کا چاند اس کے وجود میں جانے کب سے طلوع تھا اور گزرتے دنوں کے ساتھ اس کی روشنی کی تابناکی میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ اس کا خواب ضرور تھا زریاب مگر خواہش نہیں اور اسے یوں بن مانگے مل جائے گا یہ تو تصور ہی نہیں کیا تھا۔ زریاب اس کے لیے کیوں راضی ہوا تھا یہ حقیقت پہلے دن ہی اس پر اس نے روشن کر دی تھی مگر کب تک ..... کوئی آخری حد، آخری کنارہ بھی تو ہوگا۔

❋❋❋

''شام میں میرے کچھ دوست آ رہے ہیں کھانے پر ڈنر تیار کرلو، دیکھو کیا منگانا ہے بتاؤ۔'' آج سنڈے تھا وہ دیر تک سوتا تھا مگر آج جلدی اٹھ گیا تھا۔ اب ناشتا کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''جو بنانا ہے آپ اس کے مطابق چیزیں لے آیئے گا۔'' کچن کاؤنٹر صاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''کیا، کیا بنا لیتی ہو، بے وقوف بنانے کے ساتھ ساتھ.....'' بڑے ہی استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''سب کچھ بنا لیتی ہوں، بے وقوف بنانے کے سوا..... کتنے افراد ہوں گے؟''

''چائنیز بنا لیتی ہو؟''

''جی.....!''

''ٹھیک ہے میں لا دیتا ہوں۔'' اس کی حالت سے بے نیاز، دل گرفتگی کی پروا کیے بغیر کسی بھی پشیمانی سے مبرا وہ بڑے ریلیکس انداز میں مخاطب تھا۔

پھر اس کے مارکیٹ سے آنے تک اس نے گھر کا ویکیوم کر دیا۔ چیزوں کی ترتیب بدل دی، کیبنٹ سے برتن نکال کر ٹیبل سیٹ کی۔ کل آفس جانے کے لیے اس کے کپڑے بھی پریس کر دیے۔ شوریک میں براؤن جوتے بھی چمکا کر رکھ دیے۔ جانتی تھی رات کو ٹائم نہیں ملے گا۔ خود بھی قدرے صاف ہوگئی۔ اتنے میں زریاب سامان لے کر آ گیا۔

''بریانی اور کباب پاکستانی دوستوں کے لیے اور یہ چائنیز کی دو ڈشز مقامی لوگوں کے لیے۔ میٹھے میں ٹرائفل..... سب شوق سے کھالیں گے۔'' وہ اسے بتا رہا تھا۔ اسے یوں سکون سے بولتے دیکھ کر ایک پیار بھرا احساس روح میں سرائیت کر رہا تھا۔

''کاش، کاش.....! یہ یونہی ہمیشہ رہے۔'' اس کے دل سے دعا نکلی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ کچن کی جانب گھوم گئی۔

بہت دن ہوئے اس نے اپنے شانے سے اس کے شانے کو محبت سے ٹھوکا نہیں دیا تھا۔ آنکھوں میں چمک بھر کر اسے نہیں دیکھا تھا۔ جھوٹ ہی سہی، اس کا دل تو جگمگا جاتا تھا۔ محبت کی ذرا سی توجہ، ذرا سی مسکراہٹ، کیسا سکون دیتی ہے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے گہری سوچ کے ساتھ کام میں مگن تھی۔ درمیان میں بھوک کے احساس سے زریاب دو دفعہ آیا۔ ایک دفعہ کچھ پھل نکال کر دھوئے اور اندر لے گیا پھر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد آیا اور اسپیکیٹی بنا کر لے گیا۔ ایک دم سے ہی بھوک کا احساس جاگا۔ گھڑی پر نگاہ کی چار بج رہے تھے۔ صبح اس نے دو سلائس کھائے تھے آدھے انڈے کے ساتھ جو زریاب نے اپنے ناشتے کی پلیٹ میں چھوڑا تھا۔ بسکٹ اور ڈرائی فروٹ تھوڑا سا رہ گیا تھا۔ جانے کب تک یونہی چلنا تھا۔ دھیرے سے اس نے گہرا سانس لیا اور ایک کے بعد دوسرا گلاس بھر کر پانی پی لیا۔ اگر زریاب کی پلیٹ میں کچھ بچا تو کھالے گی۔ خود کو تسلی دی اور بریانی کو دم کے لیے اوون میں رکھ کر سلاد بنانے لگی۔

آج اس نے پلیٹ میں کچھ نہیں بچایا۔ لاؤنج میں ٹی وی پر کچھ مزاحیہ پروگرام دیکھ رہا تھا۔ خالی پلیٹ نے اس کے اندر ہوک سی بڑھا دی۔ کھانے پینے کی چیزیں اس کے گرد بکھری تھیں مگر اجازت نہیں تھی۔ خاموشی سے کھانا چوری کرنا اور چوری کر کے کھانا اس کی عزتِ نفس کو گوارا نہیں تھا اور کھانے کے لیے پوچھنا اسے منظور نہ تھا۔ اس کے کھانے کا واحد ذریعہ زریاب کی پلیٹ میں بچا ہوا کھانا تھا۔ اب وہ کم بچائے یا زیادہ پورا کھائے یا بالکل ہی نہ کھائے اس کی قسمت اور آج شاید اس کی

قسمت میں بھوکا رہنا لکھا تھا یا تقدیر کی ضرب سے کھیلنا تھا۔

مہمان آ گئے۔ وہ کچن میں ہی رہی۔ وہ سب آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور زریاب کو چھیڑ رہے تھے کہ بھابی کے درشن کرائے۔ سمیعہ کو یقین تھا کہ زریاب ایسا نہیں کرے گا سو مطمئن تھی۔ دوستیاں تو محبت میں نبھائی جاتی ہیں یہاں کون سا ایسا بندھن تھا۔ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ کیبل پر اردو چینل پر کوئی مغنیہ نغمہ سرا تھی۔

خوشبوؤں کی طرح میری ہر سانس میں
پیار اپنا بسانے کا وعدہ کرو
رنگ جتنے بھی تمہاری محبت کے ہیں
انہیں میرے دل میں بسانے کا وعدہ کرو

بہت عرصے بعد کوئی غزل سنی تھی سو بہت اچھی لگ رہی تھا۔ کھانا اختتامی مراحل طے کر رہا تھا۔ زریاب کو جس چیز کی ضرورت ہوتی خود آ کر لے جاتا۔ اس نے کافی کا پانی رکھ دیا۔

''کافی دودھ میں بنانا۔'' جاتے جاتے آرڈر دیا۔

''یار کھانا بہت مزے کا تھا۔'' کوئی بے تکلف دوست ادھر آ نکلا۔ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ سر اٹھایا تو وہ شخص خاصا چونک کر اسے دیکھ رہا تھا۔ سمیعہ ایک لمحے میں اسے پہچان گئی۔

''تم.....!'' زریاب اچنبھے سے انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم جانتے ہو اسے؟''

''ہاں کیوں نہیں یہ بھی مجھے بہت اچھی طرح سے جانتی ہیں۔'' ذومعنی انداز میں ہنسا۔ سمیعہ گڑبڑا گئی۔

''کیسے.....!'' زریاب نے ڈش ٹیبل پر رکھ دی۔

''بہت لکی ہیں آپ سمیعہ بھابی.....'' اس سے مخاطب تھا۔ ''زریاب جیسا ناکس شخص آپ کا شوہر ہے۔'' اور وہ سوائے مسکرانے کے کچھ بھی نہ کر سکی۔ زریاب کی آنکھوں کا تذبذب چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ کہاں کہاں داستانیں چھوڑی ہیں۔ ایک اور دشوار مرحلہ۔ اندر سے سمیع کی پکار ہونے لگی۔ وہ اندر پلٹ گیا۔

''نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔'' سر سے لے کر پاؤں تک کاٹ دار نگاہ نے اسے جلا دیا۔ اندر جاتے زریاب کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

جانے زندگی نے ابھی کتنے داؤ پیچ دکھانے ہیں۔ پلکوں کی سطح نم ہونے لگی۔ جانے اس حوالے کو کس انداز سے لے گا۔ کیسے باز پرس کرے گا اور سمیع کرمانی کیا بتائے گا۔ بھوک، پیاس سب ختم ہو گئی۔ پلیٹوں میں بہت کچھ بچا تھا، جانے زریاب کی پلیٹ کونسی تھی۔ کچھ سمجھ نہ آیا۔ ساری پلیٹیں صاف کر دیں۔

''کیسے جانتی ہو سمیع کو؟'' ان کے جاتے ہی سر پر کھڑا تھا۔

''سمیع بھائی ڈاکٹر کرمانی کے بیٹے ہیں اور ڈاکٹر کرمانی دادی کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ اپنے پاپا کے ساتھ آتے رہتے تھے۔''

''یہ تو بہت دل پھینک بندہ ہے خوب حظ اٹھاتا ہے۔'' سگریٹ سلگایا۔

''مجھے نہیں پتا..... میرا کم کم سامنا ہوتا تھا۔'' ساتھ ساتھ کچن بھی سمیٹ رہی تھی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم..... بکواس کرتی ہو..... خوب تم نے اپنے حسن کو کیش کروایا ہو گا۔ خوب داد و تحائف وصول کیے ہوں گے۔'' جھپٹ کر اسے بالوں سے پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ سے پلیٹ پاؤں پر گری۔ اس اچانک افتاد کے لیے وہ تیار نہ تھی۔

''خوب کھل کر کھیلے ہوں گے، تمہیں پوچھنے والا کون تھا۔ تبھی تو یہ کھوٹا سکہ میرے دامن میں ڈال دیا تمہاری ماں نے۔ ورنہ تمہارے خاندان میں تو کتنے تمہارے عاشق تھے۔ کتنے قابل لڑکے تھے۔ میں ہی کیوں، بولو..... جواب دو۔'' اسے گھما کر چانٹا مارا۔ ''میں ہی کیوں۔''

''آہ.....!'' اذیت سے آنکھیں بھرنے لگیں۔ ضرب بہت شدید تھی۔ ''پلیز..... پلیز ایسا کچھ نہیں

UrduPhoto.com

ہے۔ یہ صرف مجھے جانتے ہیں دادی کے حوالے سے۔"

"پھر جھوٹ.....!" اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ وہ پیچھے شیلف سے ٹکرائی، شیلف کا کونا کمر میں کھب کر اسے اذیت میں نہلا گیا۔

"ظالم جادوگرنی کو اپنی آوارہ بیٹی کے لیے میں ہی ملا تھا۔ پہلے میرے باپ کو پھانسا..... اس کے بعد میرے آگے چارہ ڈال دیا۔ دو قدم چل کر بمشکل وہ کرسی پر گری۔

"تمہاری ماں نے تمہارے ان عاشقوں کا منہ کیسے بند کیا جو تمہارا دم بھرتے تھے۔" ایک اور الزام۔

سمیعہ نے لب سی لیے کچھ بھی کہنا عبث ہی تھا۔ اس کا یقین کتنا تھا اور صفائی دینے والا جھوٹا ہو جاتا ہے۔ وقت گواہی دے گا اس کی۔ اگر اس کی قسمت میں سکھ چین کا چھتنار درخت ہوا تو۔ کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

"میں پاکستان فون کروں گا۔" اسے کیا اعتراض تھا مگر تہمت در تہمت۔ اس کی بدنصیبی اسے کس موڑ پر لے آئی تھی۔ زریاب وحشت بھرے انداز میں مسلسل بول رہا تھا اور اس پر الزامات کی بھرمار کر دی تھی۔ سمیعہ نے دھیرے سے سر ٹیبل پر رکھ دیا۔ دکھ، غم اور ساون ایک ساتھ اس کے وجود پر برس رہے تھے۔ تینوں نے آج پھر وجود میں شامِ غریباں کا رنگ بکھیر دیا تھا۔

زریاب کی اچھائیاں اس کی خوبیاں اس کی تعریفیں۔ کاش، کاش امی میں آپ کو دکھا سکتی مگر میں تو حرفِ شکایت نہیں لا سکتی۔ آپ مجھے مطمئن اور مسرور سمجھ رہی ہیں، میں کیسے آپ کو دکھ دے دوں۔ جب کہ زریاب یہی چاہتا ہے کہ آپ کو..... میں بتاؤں کہ میں کتنی دکھی ہوں کتنی اذیت میں ہوں..... مگر امی، اپنے دکھ میں کیسے بتا کر آپ کی بستی زندگی میں زردیاں بکھیر دوں۔ پپا کتنے خوش ہیں مجھے بہو بنا کر بیٹی کا روپ دے کر، میں کیسے انہیں....." رات کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ مسلسل سوچے گئی۔ آنسو تکیہ بھگوتے رہے۔ "میں اپنی بدنصیبی کا سایہ آپ پر نہیں پڑنے دوں گی۔" چہرے پر دوپٹا رکھ لیا۔ پورا لندن تاریکی میں ڈوبا تھا۔ رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔

آج کل یہ روز کا معمول ہو رہا تھا۔ زریاب آفس سے آتا اور کوئی نہ کوئی اس کے ماضی کا کردار لے کر بیٹھتا اور طنز و تحقیر کے تیر چلاتا۔ وہ سوائے رونے سسکنے کے اور کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اس کے پاس بے بنیاد کہانیاں بہت تھیں۔ وہ اپنی زندگی میں گزری ہر محرومی، ہر جذبے، ہر کمی کا حساب اس سے لے رہا تھا۔ امی نے کہا تھا پاکستان فون کر لو مگر سیل وہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس کے سارے ملبوسات یونہی تہ بند پڑے تھے۔ چند لباس تھے جنہیں وہ استعمال کر رہی تھی۔

زریاب، سمیع کرمانی کو لے کر پھر نہیں آیا۔ ہاں اس کے حوالے سے روز طعنے دینا نہیں بھولتا تھا۔ سمیع اگر سن لیتا تو خوشی سے مر جاتا۔ تم نہ سہی تمہارا حوالہ ہی سہی۔ اس کی زندگی بہت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ماضی میں کوئی حوالہ خوشی کا تھا ہی نہیں۔ بس ہر حال میں "حال" میں جیے جا رہی تھی۔ زریاب کے ناروا سلوک کے باوجود اس کے گھر کو سنبھال کر، اس کے کام کر کے، اس کا بچایا ہوا کھا کر۔

اس روز وہ آفس جا رہا تھا۔ دوسرا بیگ دیکھ کر چونکی۔ وہ مشرقی بیویوں کی طرح دروازے تک چھوڑنے جاتی تھی۔ خدا حافظ کہتی تھی اور..... وہ داخلی دروازے سے باہر نکل کر زور سے بائیں ہاتھ سے دروازہ بند کرتا اور پھر کلک کی آواز آتی اور ایک جامد و ساکت سا سکوت ہر سو پھیل جاتا۔

آج دوسرے بیگ نے اسے چونکا دیا۔ "آ..... آپ!" دوسرے بیگ پر نگاہ کی اور وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتا باہر نکل گیا۔ اور وسوسے، خدشے اس کے وجود میں سر اٹھانے لگے۔ کہیں..... کہیں زریاب پاکستان تو نہیں چلا گیا یا کسی دوسرے شہر میں۔ اس کا گلا سوکھنے لگا۔ وہ ہراساں ہرنی کے مانند صوفے پر گر سی گئی۔ اس وقت پوری دنیا سے اس کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ جانے کیوں رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا زریاب کہیں گیا ہے، اس کا بیگ..... الماری کھول کر دیکھی۔ ہینگر..... تین ہینگر خالی تھے..... تو وہ کہیں گیا ہے۔ اس کا دم اچھل کر حلق میں آ گیا۔ کہاں.....؟ اسے بتا جاتا..... وہ کیسے رہے گی اتنے دن..... خود ہی چونکی.....

کتنے دن؟

زریاب! اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں۔ یہ کیسا انتقام، کیسی سزا ہے جو ختم ہی نہیں ہو گی۔ بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد گھیرا دے کر ان پر سر رکھ لیا۔ گہری خاموشی کی بارش اس کے وجود پر گر رہی تھی۔ سوچیں دھیرے دھیرے اس کے گرد جال بننے لگیں۔

جو تنہائی تم نے جھیلی ہے اس کے کرب سے میں بھی واقف ہوں، جو اکیلا پن تم نے گزارہ ہے اس کی کربناکی سے میں بھی گزری ہوں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنا دکھ شیئر کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے شانے پر سر رکھ سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کو اپنا دکھ اور درد بتا سکتے ہیں۔

تم سنو تو!
میرا درد محسوس تو کرو
میرا دکھ.....!
تم تو بس ایک ہی دکھ پوچھتے ہو
کون سے دکھ کی کریں باتیں ذرا بتلاؤ
راہ کی دھول میں بکھری سیاہی کا دکھ
موسموں، سرد ہواؤں کی مسیحائی کا دکھ
سنگ کے شہر میں خود سے شناسائی کا دکھ
یا کسی بھیگتی برسات میں تنہائی کا دکھ
کسی ہرجائی کا دکھ
رات کا کرب یا دل کی طغیانیوں کا دکھ

صبح سے شام ہو گئی اور دریچے سے باہر پھیلتا اندھیرا رات کا پتا دینے لگا۔ لگژری اپارٹمنٹ بھرپور اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ سوئچ آن کرنے کے باوجود لائٹ نہ جلی۔ ایک دہشت نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اندھیرا کیسا ہے، لائٹ کیوں نہیں جلی۔ سراسیمگی سے سوچا۔ کیا وہ جاتے ہوئے ساری بتیاں بجھا گیا ہے۔ دل میں ایک دھماکا سا ہوا۔ رات دھیرے دھیرے گزرنے لگی۔ داخلی دروازے پر کوئی آہٹ نہ ہوئی۔ جس نے آنا تھا اس نے آج نہیں آنا تھا اور جانے کب تک نہیں آنا تھا۔ دہشت کے ناگ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنے لگے۔ خوف ڈرانے لگے۔ زریاب اتنا شقی القلب ہو سکتا ہے سمیعہ کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

رات گزر گئی۔ دن نکلنے لگا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اندھیرے کا خوف وجود سے نکلا۔ بے یقینی اور بے چینی سے دریچے سے لگ کر سویرا نکلتے دیکھا اور پھر بیڈ روم میں آ کر بالکونی میں جانے لگی۔ دروازہ لاک تھا۔ فلیٹ میں دھیرے دھیرے روشنی ہونے لگی۔ پلٹ کر دوبارہ لاؤنج میں آ گئی۔ اسے سہنا بھی تھا اور رہنا بھی تھا۔

''یا..... اللہ.....!'' نماز پڑھ کر وہ سجدے میں گری اور بے ساختہ روئے گئی۔ آنسو تھے کہ تھم نہیں رہے تھے۔ خدا سے کہنے کے لیے اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔ کیا مانگے کیا شکوہ کرے، کیا گلہ کرے بس.....! سر جھکا ہوا تھا۔ ہتھیلیاں پھیلی تھیں اور آنسوؤں کی مالا جپ رہی تھی۔ ایسے میں پانی پینے کے لیے فریج کھولا اور دوسرے لمحے چونکی۔ فریج کی لائٹ آن تھی..... تو، تو.....! صرف مجھے اذیت دینے کے لیے..... چیئر پر گری۔ میرا امتحان لینے کے لیے۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو رہی تھیں۔

ایک اور دن گزرنے لگا۔ ایک اور رات ڈرانے کے لیے فلیٹ کی سرحد پر آ گئی۔ نہیں! دل کو مضبوط کیا۔ جہاں خدا موجود ہو وہاں ڈر کیسا..... ڈر تو گناہ سے ہو۔ یہاں تو ایسا کوئی بھی خوف نہیں۔ دل کو سمجھایا اور تسبیح لے کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی..... آج لائٹ آف نہیں ہوئی۔ اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ دوسرے لمحے چونکی۔ ریموٹ اِدھر اُدھر کہیں نہیں تھا۔ اس نے خبروں کا چینل لگا رہنے دیا۔ اسے ہم سخن چاہیے تھا ہم سفر نہیں۔ فلیٹ میں دھیما دھیما سا رد عمل ہونے لگا۔ کھانے کے لیے اس کے پاس بسکٹ اور ڈرائی فروٹ تھا جس کو وہ تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کر رہی تھی۔ ایک اور رات پچھلی رات سے یکسر مختلف دھیرے دھیرے گزرنے لگی۔ اسے اپنا وجود خالی گنبد لگ رہا تھا۔

اچانک ہی دروازے پر آہٹ کا گمان ہوا۔ بے

UrduPhoto.com

ساختہ اٹھ کر بھاگی۔ شاید وہ آ گیا ہے۔ شاید اسے اس کا خیال آ گیا ہے۔ داخلی دروازہ ہنوز بند تھا۔ آہٹ پھر ہوئی۔ وہ دروازے کے بالکل ساتھ لگ گئی اور پھر کوئی ہول، درز، کوئی راستہ دیکھنے لگی باہر دیکھنے کا مگر بے سود..... باہر کار یڈور میں شاید بچے کھیل رہے تھے۔ دروازے سے کان لگا کر باہر کا ہلکا ہلکا سا شور، ہنسی کی آواز اور قلقاریاں زندگی کا احساس دلانے لگیں۔

اور پھر سناٹا چھا گیا۔ وہ وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گئی داخلی دروازے سے پشت لگا کر۔

کیا سوچے، کیا سمجھے، دائیں جانب ہاتھ بھر کے فاصلے پر پام کا بڑا سا گملا رکھا تھا۔ رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ پام کے سائے میں کچی مٹی میں کیکٹس کا ننھا سا پودا جو وہ پاکستان سے لائی تھی اور یہاں لگا دیا تھا قدرے بڑا ہو گیا تھا۔ دھیرے سے اسے چھوا..... میرے دکھوں کا ساتھی، میرا دوست، میری سہیلی۔ چند آنسو اس کی جڑوں میں گر گئے۔ وہیں کارپٹ پر سر رکھ کر جانے کب سو گئی۔

تنہا اکیلے اس فلیٹ میں چار دن گزر گئے۔ اس کے روز کے معمولات وہی تھے۔ صاف کیے ہوئے فلیٹ کو صاف کرنا۔ پریس کپڑوں کو پریس کرنا اور دھلے برتنوں کو دوبارہ دھو لینا۔

زندگی اور دن دونوں کو گزارنے کے لیے کچھ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کی سوچیں ٹھہر گئیں۔ اسے خود پر روبوٹ کا گمان ہونے لگا۔ بیٹھ گئی۔ اٹھ گئی۔ کام کر لیا۔ نماز پڑھ لی۔ خالی گنبد بے صدا ہونے لگا۔

چوتھے دن جب وہ ڈائننگ ٹیبل کے آگے کھڑی اسے خواہ مخواہ صاف کر رہی تھی۔ کرسیوں کی ترتیب درست کر رہی تھی۔ پورے فلیٹ میں گہرا سناٹا تھا۔ تبھی اک ناگوار سی بو نے اسے چونکایا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر داخلی دروازے پر نگاہ ٹک گئی۔ دھواں تیزی سے اندر آ رہا تھا دہلیز و دروازے سے۔ قدم ساکت ہو گئے۔ باہر کہیں آگ لگی تھی۔ سرکٹ میں تصادم ہوا تھا۔ یا..... یا..... کچھ سمجھ نہیں آیا۔ دھواں بڑھنے لگا۔ اسے کھانسی آنے لگی۔ دریچے کا شیشہ کھول دیا، تیز اور سرد ہواؤں شوں کے ساتھ اندر آنے لگی۔ باہر کا کہر اور اندر کا دھواں دونوں نے مل کر اسے ادھ موا کر دیا۔ کھانس کھانس کر برا حال ہونے لگا۔ دھواں آنکھوں میں چبھ کر پانی گرانے لگا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

لمحہ بھر میں اس کا وجود ٹھنڈا ہو گیا۔ داخلی دروازے کی دہلیز سے آتا دھواں پورے فلیٹ میں بھرا اور پھر دریچے سے باہر جانے لگا۔

باہر شاید آگ شدید تھی۔ اس کے فلیٹ کا دروازہ بجایا جانے لگا۔ اس نے کرسی کی پشت کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اپنے ہونے کا احساس دے یا خاموشی اختیار کرے۔ زریاب کا انتظار کرے، گھٹ کر مر جائے یا آزادی کی راہ اختیار کر کے راہِ فرار پا جائے۔ کھانسی، آنسو اور جلن اسے جلانے لگی۔

نہیں! وہ کرسی پر گر گئی۔ مشرقی عورت، مشرقی بیٹی، مشرقی بیوی ہے راہِ فرار اختیار نہیں کرے گی۔ شوہر کے گھر میں ہے چاہے وہ کیسا بھی ہے اس کا انتظار کرے گی۔ موت اسے بند دروازے میں آ جائے، اس کا سانس گھٹ جائے۔ سینہ فگار ہو جائے، بچاؤ کے لیے پکارے گی نہیں۔ اپنے وجود پر اور الزام تراشیاں نہیں سہے گی۔ وفا پرست اور وفا شعار ہونے کا ثبوت دے گی۔ دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ ملی جلی آوازیں تھیں۔ کھانسی، آنسو، عزتِ نفس، زریاب کا رویہ اور ناروا سلوک اسے ادھ موا کر گئے۔ داخلی دروازے پر دستک بڑھی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ یہ اخذ کر لیا گیا تھا کہ اس فلیٹ میں کوئی نہیں ہے۔ اس نے ٹیبل کی سطح پر سر رکھ دیا۔ آنسو خود بخود اس کے ہمنوا بن رہے تھے۔ اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

فلیٹ بے پناہ سرد ہو گیا تھا۔ لندن کی کہر آلود سردی نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ پندرھویں منزل پر صرف ہواؤں کا پتا چل سکتا تھا۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ دھوئیں کی شدت میں کمی آ گئی۔ تبھی کلک کی آواز کے ساتھ آہٹ ابھری۔ سمیعہ نے سر اٹھایا۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ اس کے حواس جاگے۔ دونوں بیگ تھامے زریاب اندر داخل ہو رہا تھا۔ ایک ٹک اسے

UrduPhoto.com

دیکھے گئی کچھ کہے بغیر، دھوئیں کی بابت پوچھے بغیر۔ وہ اندر بڑھ گیا۔ بے حسی اور سرد مہری اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی..... اگر تمہیں پروا نہیں تو مجھے بھی فکر نہیں۔ بیڈ روم کا دروازہ لاک ہو گیا۔ بھیگی پلکوں سے اس نے ٹیبل پر سر گرا دیا۔

اور بند دروازے کے پیچھے وہ کھڑا سوچ رہا تھا۔ اکیلے بے یار و مددگار تنہا اس فلیٹ میں رہنے والی ڈری سہمی خوفزدہ لڑکی دوڑ کر اس سے آ لپٹے گی۔ وہ اسے جھٹک کر دور پھینک دے گا۔ اس کے نہ آنے کا جواز پوچھے گی۔ وہ پیٹ ڈالے گا۔ تم کون ہوتی ہو مجھ سے باز پرس کرنے والی۔ وہ اسے بتائے گی تنہا، اندھیرے فلیٹ میں دن رات کیسے گزرے تو وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے کہے گا، میں نے بھی ایسے ہی اذیت ناک دن گزارے ہیں، اب تم بھگتو! مگر..... زریاب بستر پر گر گیا۔ اس کی چپ، بدحالی، گریہ وزاری، خاموشی..... لب شکوہ کناں تھے مگر اسے لفظوں کی ضرورت تھی تاکہ اسے تازیانے مار سکے۔ برابر والے فلیٹ میں آگ لگی تھی شارٹ سرکٹ کی وجہ سے۔ وہ اپنے آفس کے کام بھگتا کر لندن واپس آ چکا تھا مگر اسے اذیت دینے کے لیے پولیس اور فائر بریگیڈ کی کارروائی دیکھتا رہا۔ اس کے سامنے اس کے گھر کا دروازہ بجنے لگا وہ خاموش تماشائی بنا رہا اور اب! اسے اپنی آنکھوں میں جلن کا احساس ہونے لگا۔ دل مسلنے لگا، روح جلنے لگی۔ بدلے کی آگ اسے اندھا کر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

پھر رات کے اس پہر جب ٹھنڈ اپنے عروج پر تھی۔ مسلسل ٹھنڈ میں رہنے کی وجہ سے جسم بخار کی حدت میں مبتلا تھا۔ اسے گرمائی، میڈیسن اور گرم کافی یا چائے کی طلب تھی۔ مسلسل کھانسنے سے سینہ فگار ہونے لگا تھا۔ اپنے وجود کی آگ پر مسلسل پانی کے چھینٹے ڈال رہی تھی مگر بخار کی حدت اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر رہی تھی۔ تبھی زریاب دروازے سے باہر آ گیا اور قدرے فاصلے پر کھڑا اسے دیکھنے لگا۔ بے چینی نے اسے اپنے احاطے میں لے لیا۔ سمیعہ کا سرخ چہرہ اسے جھلسانے لگا۔

''اب پتا چلا جدائی کی کربناکی اور اذیت کیا ہوتی ہے۔ بے اختیار اس کے قریب جھکا۔ گمبھیر آواز، یوڈی کلون کی مہک نے سمیعہ کو چونکا دیا۔ بے اختیار جھجک کر پیچھے ہوئی۔ مجھ سے راہِ فرار اختیار کرو گی۔'' اسے کلائی سے پکڑ کر اپنی جانب گھسیٹا۔ دو حدتیں آپس میں ٹکرائیں۔ دونوں میں برقی رو دوڑ گئی۔ سمیعہ کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں، بے ساختہ پیچھے ہٹی۔

''چھوڑیں مجھے!'' اس کے انداز میں ناگواری تھی۔

''چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا..... میں بھول گیا تھا تمہارا حق مہر تو میں تمہیں دے چکا ہوں۔ تمہارے جملہ حقوق بھی میرے نام ہیں اور میں.....'' اس کے رخسار پر انگلی پھیر کر ہنسا۔ اس کا انداز نفسیاتی تھا۔ سمیعہ کے وجود کا فیوز بھک سے اڑ گیا۔ یہ ادا، یہ انداز محبت کے رنگوں میں ہوتا تو بن پیے ڈول جاتی، خود سپردہ بن جاتی۔ آوارہ اور ہرجائی پن، گھٹیا انداز۔

''میں نے تمہیں ابھی تک..... میرا مطلب ہے کہ چھوا بھی نہیں، تم بھی کیا سوچتی ہو گی کہ تمہارا شوہر کیا ہے۔'' سمیعہ نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔

''مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں ہے اور نہ رکھنا چاہتی ہوں۔ آپ اپنی انتقامی کارروائی پوری کریں اور میری سزا میں کمی یا زیادتی کا فیصلہ سنائیں۔'' اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''ہا..... ہا..... ہا..... یہ بھی تو ایک انتقام ہے۔'' اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کی۔

''نہیں.....! یہ ہتک ہے اور میں اس ذلت کی اجازت نہیں دوں گی زریاب صاحب! مجھے محبت، محبت سے چاہیے انتقاماً نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کچھ کیا تو میں اس سپر لگژری فلیٹ کی اس منزل سے نیچے چھلانگ لگا دوں گی۔'' جھٹکے سے کلائی چھڑا کر وہ قدرے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

''واہ..... یہ طرہ تو بس بازاری لڑکیوں میں ہوتا ہے۔'' اسے اور سلگایا اور سگریٹ سلگا کر عاشقانہ بازاری سے انداز میں ہونٹوں سے لگا لیا۔

UrduPhoto.com

''مگر میں بازاری نہیں خاندانی ہوں۔''

''ہا..... ہا..... ہا'' مذاق اڑایا۔ ''تبھی تو خاندان میں سے کسی نے تمہیں قبول نہیں کیا۔ کچھ تو کیا ہوگا تم نے۔'' دھواں فضا میں چھوڑا۔ اس پر نقاہت غالب آرہی تھی۔ شام کے واقعے نے، احساسِ تنہائی نے، بخار اور گریہ زاری نے اسے بے حد کمزور کردیا تھا۔ اپنے بستر کے کونے پر ٹکی اس کی کسی بات کی وضاحت کرنا چاہتی تھی اور نہ جوابدہ تھی۔ اول دن سے سزا ہی سناتا جارہا تھا تو سزا ہی سہی۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں آرام کرنا چاہتی ہوں، جائیں۔'' دوٹوک انداز میں کہا۔

پچھلے چار دن جو گزرے تھے وہ ساری زندگی پر بھاری تھے۔ آر یا پار۔ زریاب اسے اذیت دے کر مارے گا تو ایسا ہی سہی مگر اپنے جذبوں کو دھول نہیں بننے دوں گی۔'' مصمم ارادے سے نگاہ اٹھائی۔

''اور وہ اسفر صاحب اور ہمایوں صاحب کے متعلق کیا رائے ہے؟'' سگریٹ کا دھواں اڑانے لگا۔

''اور سمیع تو روز ہی تمہارا پوچھتا ہے۔ تم کون سا ستی ساوتری ہو۔ خود تمہارے ننھیال اور ددھیال والے ہی تمہارے خلاف تھے۔ کچھ تو ایسا ہوگا کہ مجھ جیسا سیدھا سادا مرغا پھانس لیا۔'' کالر جھاڑے۔

''سیدھا سادا.....!'' سلگ گئی مگر جواب دینا عبث لگا۔ اس کے سر کا درد بڑھ رہا تھا۔ اسے ٹرنکولائزر کی ضرورت تھی۔

''جانے کیا گھول کر پلایا تھا کہ میں نہ کرنے کے بجائے ہاں کر بیٹھا۔'' وہ انتہائی خودغرضی اور خودترسی سے بول رہا تھا۔ تبھی اندر اس کا سیل فون بجا۔ وہ سرعت سے اٹھ کر بھاگا۔ سمیعہ نے لمحہ بھر کو اسے جاتے دیکھا اور پھر اپنے بستر پر گر گئی۔ اپنی مظلومیت پر بے اختیار ہی رونا آتا چلا گیا۔

عذاب یہ بھی کسی اور پر نہیں آیا
کہ ایک عمر چلے اور گھر نہیں آیا
کریں تو کس سے گریں نارسائیوں کا گلہ
سفر تمام ہوا اور ہم سفر نہیں آیا

❋❋❋

ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس کی سزا بڑھے گی اس میں کمی نہیں ہوگی۔ زریاب کے دل پر لگے گھاؤ بہت شدید اور گہرے ہیں، وہ اس کی کھال بھی کھنچوا لے گا تو اسے سکون نہیں ملے گا۔ اس کے ہجر میں مر بھی جائے گی تو اسے بخشے گا نہیں پھر کیا فائدہ اپنی تحقیر کروانے کا خود کو ارزاں کرنے کا۔

زندگی کو اب اسی طور گزرنا ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنی محبت سے، اپنے عمل اور اپنے کردار سے اس کا کتھارسس بن جائے گی۔ اس نفسیاتی گتھی کو سلجھا لے گی مگر نہیں..... اس کے زخم مندمل ہونے والے نہیں تھے۔

زندگی کو اسی طرح سے گزرنا تھا۔ اسے باندی، کنیز، نوکرانی کا درجہ مل رہا تھا بیوی کا رتبہ نہیں اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ وہ گن گن کر نہیں لے رہا تھا بلکہ سود کے ساتھ لے رہا تھا۔ سو اس نے سمجھوتا کر کے خاموشی کی بکل ماری اور اسی راہ پر گامزن ہونے لگی اور اس کی خاموشی زریاب کو جلانے کلسانے لگی۔

❋❋❋

''سنو، میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔''

اس روز راکنگ چیئر پر جھولتی وہ اپنے خیالوں میں بہت دور تک نکلی ہوئی تھی۔ راکنگ چیئر پر جھولتا اس کا وجود اسے شبستانوں کی نخلستانوں کی سیر کروا رہا تھا۔ اس کی خوابوں کی دنیا جہاں سکون و اطمینان تھا۔ اور آفس سے آکر زریاب اس کے چہرے کا یہ سکون دیکھ کر غصے سے بھنا گیا۔ پاؤں سے جھولتی چیئر روک کر گھٹنے پر بازو رکھ کر جھکا اور جھٹکے سے رکتی چیئر نے خوابوں کی دنیا سے جگا دیا۔ نیند میں ڈوبی آنکھوں سے اسے دیکھا اور اس کے غصیلے جملے نے سارا نشہ اڑا کر اسے بھک سے جگا دیا۔

''اور تمہیں پاکستان بھیج رہا ہوں۔ طلاق نامہ تمہاری ماں کو مل جائے گا۔'' وہ اس کا نشہ ہرن کر کے اندر بیڈ روم میں روپوش ہو گیا اور سمیعہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ تو یہ تھا اس کی زندگی کی کہانی کا انجام۔ تمہارے انتقام کی حد یہی ہے۔ اگر تمہارے دل کو سکون مل جاتا

UrduPhoto.com

ہے تو یونہی سہی مگر اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

''یہ ٹھیک تو نہیں، یہ انصاف تو نہیں۔ یہ، یہ......'' چند آنسو اس بے انصافی پر آنکھ سے گر پڑے۔

اپنے کمرے میں بند زریاب علی اس بات کا منتظر تھا، ابھی وہ آئے گی روتی، بلکتی، سسکتی۔ التجائیہ انداز میں اس کے سامنے جھکے گی، ہاتھ جوڑے گی اور گڑگڑا کر کہے گی۔ مجھے طلاق مت دو۔ مجھ پر یہ ظلم مت کرو اور وہ اسے جھٹک کر کہے گا۔ یہ ظلم تم پر نہیں تمہاری ماں پر ہے، اب بھگتو میں نے سوتیلی ماں کا کرب سہا ہے اذیت کی حصے دار تم بھی بنو۔ اولاد تو والدین کی ہر طرح کی وراثت میں حصے دار ہوتی ہے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

گہری خاموشی کا راج تھا پورے فلیٹ میں۔ زریاب اس صبر، اس استقامت پر بل کھا رہا تھا۔ یہ سکون اسے بے سکونی میں مبتلا کر رہا تھا۔ جھٹکے سے باہر نکلا۔ لاؤنج کے آخری سرے پر ابھی بھی وہ راکنگ چیئر پر جھول رہی تھی۔ دور سے اس کے بھیگے مژگان، ٹوٹا ہوا دل اور زرد رنگت نظر ہی نہ آسکی۔ اب کے سزا کا تیر دل میں پیوست ہوا تھا اور دل کا درد جان نکال لیتا ہے۔ کچن میں، بیڈ روم میں اٹھا پٹخ ہوتی رہی سمیعہ بس دریچے سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں اس کا وجود، اس کا دل خالی ہو گیا تھا اور خالی گنبد میں گونجتی آوازیں اسے پژمردہ بنا رہی تھیں۔

❊❊❊

''کل صبح تیار رہنا، آفس جاتے ہوئے ایئرپورٹ اتار دوں گا۔'' اس رات فرعونیت بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا۔ اور اس نے سن کر سر جھکا لیا۔ کبھی کبھی کوئی عمل کارگر ثابت نہیں ہوتا، ہونی ہو کر رہتی ہے اور جب سہہ لیا تو درد کیسا......؟

اگلے دن وہ اپنے مختصر سے بیگ کے ساتھ تیار تھی۔ ملگجے سے کپڑوں پر اوورکوٹ پہن لیا تھا۔ سب کچھ ادھر ہی چھوڑ دیا تھا ماسوائے چند ضروری چیزوں کے۔ جب شادی ہوئی تھی زریاب کے ساتھ تو امی نے کہا تھا تمہاری نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، پھر وہ لندن آنے لگی تو امی نے کہا، وہاں سپر لگژری فلیٹ میں تمہاری زندگی نئے سرے سے شروع ہو گی۔ خوب سجانا، سجانا اور محبت سے رہنا۔ زریاب بہت اچھا نیک لڑکا ہے بس غصے والا ہے مگر عورت کی محبت، اس کا پیار اور اس کا خیال دھیان مرد کی دنیا بدل دیتا ہے۔ ایک نئی دنیا تمہاری منتظر ہے اسے سجانا۔'' وہ خود پر ضبط کر رہی تھی۔ دل بھر بھر آ رہا تھا، گلا رندھ رہا تھا مگر اس کو برداشت کی سیڑھی پر کھڑا ہونا تھا۔

''میرا کوئی در، کوئی گھر نہیں ہے امی۔ سارے گھر مرد کے ہوتے ہیں۔ مجھے تو پیار کرنے، سجانے کا موقع ہی نہیں ملا پھر نیا گھر آباد کیسے کرتی۔'' انگلی کی پور سے آنسو صاف کر کے گلاسز لگا لیے۔ ابھی کسی پل بھی آ کر وہ کہہ سکتا تھا اور اس نے چل پڑنا تھا۔ پاکستان جا کر زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنا تھا۔ زندگی ہر سفر میں اسے نئے انداز و روپ میں ملتی ہے، اب کے وہ کوئی سمجھوتا نہیں کرے گی۔ زندگی کو من پسند طور پر گزارے گی۔ جب سمجھوتا ہی کیا تو من پسند کیوں نہیں۔ بیگ پر گرفت مضبوط ہو گئی۔

''چلو......!'' وہ داخلی دروازے پر کھڑا تھا، مڑ کر الوداعی نگاہ ان بام و در پر ڈالے بغیر باہر آ گئی، حالانکہ اس کا دل اس بے قصور سزا پر بین کر رہا تھا مگر بین دیکھتا کون ہے، آنسو محسوس کون کرتا ہے؟

پورے راستے وہ بلیک گلاسز کے پیچھے آنکھیں موندے رہی، سانس ساکت رہی۔ اس نے زریاب کی جانب نہیں دیکھا۔ یہ شخص جس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی اس کی جانب دیکھنا ہی حوصلہ نہ کھو دے اور اب حوصلوں پر اپنا رابطہ بحال رکھنا تھا۔

وہ سر جھکائے جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ آنسو قدموں کے نیچے روند رہے تھے اور زریاب اسے سر جھکائے یوں جاتا دیکھ کر بس کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اب اسے صرف اتنا کرنا تھا پیپر سائرہ علی کو بھیجنا تھے اور پھر اس کی انتقامی کارروائی کی حد ختم ہو جاتی مگر باہر آتے ہوئے زریاب نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دھڑکتا دل کہہ رہا تھا۔

''زریاب تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے اچھا نہیں

UrduPhoto.com

کیا۔"

"نہیں ..... یہی بہتر تھا۔" اس نے سر جھٹک کر گاڑی تک کا فاصلہ طے کیا۔ آج پھر وہ چار دن کے لیے سڈنی جارہا تھا آفس کے سلسلے میں۔

اگلے ہفتے مصروفیت کے باوجود دھیان ادھر ہی لگا رہا۔ بار بار کسی کا جھکا ہوا سر اس کی آنکھوں کو دھندلا رہا تھا۔ پورا ہفتہ گزار کر واپس آ کر اس نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ ہر چیز پر گرد کی تہ تھی۔ لاؤنج کا آباد کونا ویران تھا۔ اب کوئی آہٹ نہیں گونجے گی۔ اس کا دل بہت عجیب سا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ طلاق کے پیپر سائڈ ٹیبل پر رکھے تھے۔ یہ بند لفافہ بس سائرہ علی کو بھیج دینا تھا اس کا دل شانت ہو جاتا۔ مگر اطمینان اور سکون قلب میں کہیں نہیں تھا۔ بے چینی، اضطراب نے اپنے حصار میں لیا تو وہ فلیٹ سے باہر نکل گیا۔ یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا پھر سمیع کرمانی کی جانب آ گیا۔ اس کے بیوی بچے مال پر گروسری کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسے کافی دیتے ہوئے مسکرایا۔

"کچھ اپ سیٹ سے لگ رہے ہو، کیا بھابی سے لڑائی ہوئی ہے؟" وہ ہنس بھی نہ سکا۔ ایسی کوئی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ تو بس سنتی تھی، کہتی نہیں تھی۔

"میں پاکستان جارہا ہوں، الینہ کی امی کی طبیعت خراب ہے۔ آئی سی یو میں ہیں۔" سمیع بتا رہا تھا۔ سمیعہ کو اس کے ساتھ بھیج دیتا، اکیلے اتنا سفر کیسے طے کیا ہو گا؟

"بھابی کو بھی لے آنا تھا یار..... وہ اکیلی سارا دن کیا کرتی رہتی ہیں۔" اب وہ چینل سرچنگ کر رہا تھا۔

"ویسے تم بڑے خوش قسمت ہو، سمیعہ بہت نائس، ذہین اور اچھی لڑکی ہے۔ میری بڑی خواہش تھی کہ وہ میری بھابی بنیں مگر۔" سمیع کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

"مگر.....!" زریاب چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"بتا دوں ناراض تو نہیں ہو گا۔" وہ ہنسا۔

زریاب نے کافی کا مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اب کیسی ناراضگی۔

"ہمایوں بھی سمیعہ میں انٹرسٹ تھا مگر سائرہ آنٹی نے سب کو منع کر دیا۔ انہوں نے تمہارا رشتہ پہلے ہی پسند کیا ہوا تھا اور تم ہو بھی اس لڑکی کے قابل۔" سمیع نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ زریاب دل بھینچے سنتا رہا۔

"اپنی دادی کو سمیعہ بھابی بہت پیاری تھیں بس ان کی زندگی تک آتی رہیں پھر ان کی نانو نے آنے نہیں دیا۔ میں بھی تعلیم پھر روزگار کے سلسلے میں مصروف رہا پھر ادھر آ گیا سو کوئی رابطہ ہی نہیں ہوا۔"

زریاب خالی ذہن سے سنتا رہا اور وہ کیا کیا کہانیاں بنتا رہا۔ سمیع کی فیملی واپس آئی تو اٹھ کر آ گیا۔ دل جانے کیوں بے چین و بے قرار ہو رہا تھا۔ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ اس نے کیا کیا ہو گا، کہاں گئی ہو گی؟ اسے گھر کی چابیاں بھی نہیں دی تھیں۔ اس کے پاس پیسے بھی ہوں گے یا نہیں۔ وہ اپنے فلیٹ پر آ گیا۔ فضا میں کچھ ادھورا پن تھا کسی کمی کا احساس اور وہ اپنے محسوسات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اِدھر اُدھر گھومتے اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ دوسرے لمحے چونکا۔ کشن کے نیچے چند کاغذ دبے تھے۔ یونہی جھک کر انہیں اٹھا لیا۔ سیاہ موٹی سفید کاغذ پر بکھرے تھے۔

اتنے چپ چاپ کہ راستے بھی لاعلم
چھوڑ جائیں گے یہ نگر شام کے بعد

دھیرے سے کشن کے درمیان صوفے پر گر گیا۔

"میرا اور آپ کا تعلق بہت پرانا ہے۔ اتنا پرانا کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ابو کے انتقال کے بعد امی معاشی طور پر پریشان تھیں، وہ کسی کی دست نگر رہ کر زندگی نہیں گزار سکتی تھیں اس لیے انہوں نے جاب کر لی آپ کے ابو کے آفس میں۔ میں ان دنوں بہت چھوٹی تھی۔ امی نے نانو کو بتایا کہ میرے باس کی بیگم کا انتقال ہو گیا ہے۔ ایک بیٹا ہے وہ بورڈنگ میں رہتا ہے۔ بہت اکیلا ہے وہ، مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ اتنا سا بچہ اکیلا کیسے رہتا ہو گا۔ ہاں کیسے رہتا ہو گا میں نے سن لیا تھا۔ سوال پوچھ پوچھ کر امی کا دماغ کھاتی رہتی تھی۔ امی اس بچے کو ڈر نہیں لگتا ہو گا۔ مس مارتی ہوں گی تو کون پیار کرتا ہو گا۔ رات کو سوتے وقت ڈر تو لگتا ہو گا۔ ایسے

UrduPhoto.com

سوالات کر کے امی کو پریشان کرتی رہتی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا امی نے اپنے باس سے شادی کر لی اور وہ گھر سے چلی گئیں۔ میں ممانیوں کے رحم و کرم پر آ گئی۔ کبھی دادی کے گھر، کبھی نانی کے گھر فٹبال کی طرح گھومتی رہتی تھی۔ گزرے دنوں کے ساتھ ممانیوں کا رویہ میرے ساتھ خراب ہوتا چلا گیا۔ نئے پاپا سے میں ایک بار ہی ملی تھی کہ وہ لوگ ملک سے باہر چلے گئے۔ میں تنہا، اکیلی، اداس ہو گئی۔ ایسے میں مجھے وہ بچہ جانے کیوں یاد آتا جو ہوسٹل کے کسی کمرے میں اداس، اکیلا بیٹھا اپنی ماں کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کا راستہ بھی دیکھتا ہو گا۔

مجھے اس کا درد اپنا لگتا اور میں اس بچے کے لیے دعا مانگتی تھی کہ اللہ میاں ماں نہیں تو باپ ہی اسے لوٹا دے۔ اکیلے رہتے اسے کتنا ڈر لگتا ہو گا۔ نئے پاپا بہت امیر تھے۔ ان کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا۔ وہ روز روز نہیں آ سکتے تھے۔ امی سے صرف فون پر بات ہوئی تھی۔

میں بڑی ہوتی گئی۔ میرے ماموں کے بہت سے بچے تھے، میں ان کے ساتھ اسکول جاتی تھی۔ ان کے کام کرتی، اسکول سے آتی تو ممانیاں گھر کے کاموں میں الجھا دیتیں اور میں پڑھائی سے دور ہو جاتی۔ عدم دلچسپی کی وجہ سے میں ہر ٹیسٹ میں فیل ہوتی اور کسی کو بتاتی نا۔ مجھ پر توجہ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ امی کا کام پیسے بھیجنا اور فون پر خیریت دریافت کرنا تھا۔ امی اپنی من چاہی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن تھیں اور میں وہ اعتماد حاصل نہ کر سکی جو اس گھر کے بچوں میں تھا۔

گزرتے دنوں کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ ایسا کیوں تھا۔ میں ان کی نند کی بیٹی تھی اور نند کی ممانیوں سے کبھی نہیں بنی سو بدلے کی آگ میں مجھے نوکرانی بنا لیا گیا میں نانو کی خدمت کے ساتھ ساتھ گھر کی خدمت بھی کرتی تھی۔

اس محروم زدہ بچے کا احساس وقت گزرنے کے ساتھ میرے دل میں پروان چڑھا۔ مجھے اس میں اپنا آپ نظر آتا۔ وہ ہوسٹل میں رہتا تھا۔ اسے سخت گیر استاد ملے۔ وہ پڑھتا تھا۔ اس کے پاپا اسے اچھا شخص بنانا چاہتے تھے۔ نانو کا گھر میرے لیے ہوسٹل تھا۔ سخت گیر ممانیوں نے مجھ پر پہرے بٹھا دیے۔ ہمارا ورد سانجھا تھا مگر.....

تمہیں ہوسٹل میں کوئی خوف نہیں تھا مگر میں اس گھر میں ڈر جاتی تھی۔ نانو، خالہ کے گھر چلی جاتیں تو مجھے رہنا دوبھر ہو جاتا۔ رات گزارنا مشکل تھا۔ بدنیت نظریں مجھے گھیر لیتیں، بدفطرت قدم میری جانب اٹھتے اور مجھے اپنی حفاظت خود کرنی ہوتی تھی میں اس گھر کے ہوسٹل میں غیر محفوظ تھی مگر اف نہیں کر سکتی تھی۔ دادی کے گھر جاتی تو ہمایوں کو اپنی محبت نظر آنے لگتی۔ میں وہاں بھی غیر محفوظ تھی۔ بنیادی رشتوں کے بغیر عورت کتنی غیر محفوظ ہوتی ہے اگر لب کھولوں تو الزامات سنوں۔

میں جس کرب و اذیت سے گزری اس کا آپ کو بھی اندازہ نہیں ہو سکتا پھر مجھے پتا چلا وہ تنہا بچہ بڑا ہو گیا ہے اور اس کے پاپا نے اسے پڑھنے لکھنے کے لیے باہر بلا لیا ہے۔

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ وہ بچہ اکیلا رہ کر بھی قابل بن گیا۔ میں خواہ مخواہ میں ہی چپکے چپکے اس کے لیے دعائیں کرتی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ دعائیں میرے حق میں چلی جائیں گی اور وہ بچہ میرے حصے میں آ جائے گا تناور درخت بن کر مگر مجھے اس کی چھاؤں نصیب ہو گی نہ پھل وہ تو کیکٹس کی کڑواہٹ لے کر بڑا ہوا ہے۔

امی بہت سالوں کے بعد پاکستان آئیں۔ انہیں میری شادی کی فکر ہے۔ ممانی نے سوال ڈالا مگر میری امی نے منع کر دیا۔ تایا جان کو بھی انکار کر دیا۔ میری شادی انہوں نے آپ سے طے کر دی۔ آپ کے پاپا مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں تو بس حیرت زدہ تھی اور میری خوش قسمتی پر سب ہکا بکا۔ جلن، حسد، رقابت کی آگ نے سب کو جلا دیا۔ اسفر بدتمیزی پر اتر آیا اور جانے کیا کیا کہانیاں بننے لگا۔

شادی والے دن مجھے پتا چلا کہ جس بچے کے اچھا ہونے کی میں نے دعائیں کی تھیں اور جو دنیا کی نظروں میں قابل، تعلیم یافتہ انجینئر ہے وہ تو ابھی تک اپنے بچپن میں جی رہا ہے۔ خود ترسی کا شکار وہ میری ماں کو

UrduPhoto.com

موردِ الزام ٹھہرا رہا تھا اور میری امی کے متعلق جو اس کی سوتیلی ماں تھی کتنا غلط سمجھتا ہے۔ زریاب کبھی آنکھ کھلے تو سوچیے گا میری امی جب آپ کی زندگی میں آئیں تو آپ تو تھے ہوسٹل میں، آپ کے پاپا کے پاس بزنس کی وجہ سے وقت نہیں تھا کہ توجہ دے سکتے۔ آپ کی امی کے انتقال کے بعد آپ کے پاپا تنہا تھے۔ انہوں نے میری امی کا رشتہ مانگا تھا۔ میری نانو نے اقرار کرلیا۔ میری امی نے کورٹ میرج تو نہیں کی تھی نا پھر وہ قصور وار کیوں.....؟

پھر آپ تو پاکستان ہوسٹل میں رہتے تھے وہاں آپ کا گھر بھی تھا۔ آپ کے پاپا پابندی سے رقم بھیجتے، فون کرتے، توجہ دیتے۔ کب آپ کا خرچہ بند ہوا تھا جو میری امی غاصب، لالچی اور خودغرض ہوگئیں۔ میری ماں سوتیلی ضرور تھیں مگر ماں تھیں۔ انہوں نے آپ کو بیٹا سمجھا تھا۔ بہت محبت، پیار اور توجہ دیتی تھیں۔ اگر آپ کو سوتیلا سمجھتیں تو کبھی اپنی بیٹی نہ دیتیں۔ جانے کس نے دماغ بھر دیا تھا آپ کا سوتیلی ماں کے خلاف کہ خواہ مخواہ کے خدشے، واہموں کو آپ نے خود پر طاری کرکے مظلوم اور قابلِ رحم بنالیا۔ انسان کو اپنی شعور کی آنکھ کھلی رکھنی چاہیے۔

انتقامی کارروائی آپ کا خود ساختہ جذبہ تھا اور میرے ساتھ کیوں؟ میں نے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ ذرا سوچیں تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ آپ نے باپ کی محبت میں مجھ سے شادی کرلی۔ سوتیلی ماں کی نفرت کا زہر اگلتے ہیں، اپنے پاپا کو دکھ نہیں دینا چاہتے اور سوتیلی ماں کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ آپ کی زندگی میں کتنا بچپنا ہے ابھی، کیوں؟ آپ کہہ رہے ہیں امی کو فون کرو اور بتاؤ کہ زریاب کتنا ظلم کررہا ہے مجھ پر۔ میں ہی کیوں اپنی امی کو دکھ دوں۔ آپ میں ہمت ہے تو خود کہہ دیں، نفرت کا برملا اظہار کردیں۔

آج کل مجھے یہ احساس جانے کیوں ہورہا ہے آج یا کل میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے آپ کو چھوڑ دینا ہے۔ ہم تو دو کشتیوں کے مسافر ہیں۔ امی کہتی ہیں کہ شوہر کو محبت اور پیار سے اپنا بنا لیتے ہیں مگر میں تو صرف توجہ دے سکی۔ کاش میری محبت کو آپ نے محسوس کیا ہوتا۔ جب مرد کا دل آباد نہ ہو تو گھر کیسے آباد ہوسکتا ہے۔

میری طلاق کے کاغذات امی کو مت بھیجئے گا۔ ان کے ساتھ آپ کے پاپا کو بھی افسوس ہوگا۔ لوگوں کے ساتھ حادثات بھی تو ہوجاتے ہیں، مر بھی تو جاتے ہیں۔ میری حادثاتی موت مشہور کرکے مجھے زندگی سے نکال دیں اور خود شانت ہوجائیں۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے کسی پر فرق نہیں پڑے گا۔ امی بہت مصروف ہیں۔ اور پیچھے میری یاد میں رونے والا کوئی نہیں۔ میں نے اس فلیٹ کو گھر بنانا چاہا مگر گھر والا اجنبی ہو تو مکان، مکان ہی رہتا ہے۔

میں بدکردار اور بدفطرت نہیں ہوں اگر ایسی ہوتی تو آپ کا جھوٹا کبھی نہیں کھاتی۔ میں نے اپنی پلیٹ میں کبھی تازہ کھانا نکال کر نہیں کھایا۔ مجھے بھوکا رہنا منظور تھا مگر کھانا مانگنا..... یا چوری کرکے کھانا نہیں منظور تھا۔ آپ کی حد بندی، کربناکی، سزا اور الزام میں نے دل پر سہے۔ زندگی بہت لمبی ہوتی ہے زریاب، اسے عضو معطل کی طرح نہیں گزارا جاسکتا ہے۔ کچھ من چاہا نہ ملے تو من پسند حاصل کرنے میں دیر لگتی ہے مگر خود کو ضائع مت کریں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ ہنستے مسکراتے، قہقہے لگاتے بہت اچھے لگتے ہیں۔ آپ کی آنکھوں کی چمک کتنی تابناک اور بھرپور ہے۔ میں آپ کی زندگی سے جارہی ہوں مجھے ملال نہیں، یہ ہونا تھا، مجھے شکایت نہیں۔ زندگی ہر دفعہ از سرِ نو شروع ہوتی ہے اور ہوسکتی ہے۔ میں گھر نہیں جاؤں گی آپ کا انتقامی جذبہ بہت مضبوط ہے، مجھے گھر کی چابی نہیں دیں گے آپ۔ میں اپنے خیال نہیں جاؤں گی وہ لوگ مجھ پر، میری ماں پر ہنسیں گے۔ میں اپنے وہم خیال نہیں جاؤں گی وہ کہیں گے کیا تھا سائرہ ہمیں دے دیتی سمیعہ۔

اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ طلاق کے کاغذوں کو دریا برد کردینا یا سپردِ ہوا۔ آپ کی زندگی سے سمیعہ نکل جائے گی۔ ہمارا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔ میں اپنی صفائی نہیں دے رہی آپ کے دل سے شکوک، بدگمانی

اور گمان نکال دینا چاہتی ہوں تاکہ جب اصل زندگی آپ سے ملے تو بہت ہلکے پھلکے ہوں۔ خدا آپ کو خوشیاں دے۔ آمین!

خدا حافظ

کاغذوں پر جا بجا پانی گرا تھا۔ لفظ ختم ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔ زریاب نے اپنا سر صوفے کی پشت پر رکھ لیا۔ جانے کیوں اسے اپنا آپ خالی گنبد، خالی مکان ایسا لگ رہا تھا۔ کیا اس نے صحیح کیا۔ پا..... یا یہ لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ اس کا ذہن گرہ زدہ تھا اور یہ گتھیاں اس نے سلجھادی ہیں۔ واقعی سوتیلی ماں کے نام نے اس کی زندگی میں زہر بھر دیا تھا حالانکہ پاپا نے اپنی دوسری شادی سے بہت پہلے اسے ہوسٹل میں داخل کر دیا تھا پھر ..... پھر اس کے اندر اتنا زہر کیسے بھرا، کس نے بھرا۔ بے قراری سے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھا اور دریچے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ لندن آج بھی ٹھنڈ، یخ، کہر کی لپیٹ میں تھا۔ ہزاروں فٹ بلندی سے نیچے کچھ خاص نظر نہیں آتا تھا صرف اوپر سے بادل اور دھند۔

اسے یاد آیا ہوسٹل کی نگراں مس فرحت تھیں جو ہمیشہ کہتی تھیں سوتیلی ماں ہوتی ہی ہے سوتیلی کبھی سگی نہیں بن سکتی۔ اب تمہاری زندگی میں کچھ نہیں رہا، اب تم اصل میں اکیلے ہو گئے ہو۔ گاہے بگاہے وہ اس کے اندر زہر انڈیلتی رہتی تھیں۔ اتنی کثافت اور کدورت انہوں نے بھری تھی اس کے اندر منفی رجحانات کا سبب وہ تھیں جنہوں نے اس کے اندر بارود بھرا تھا۔ جو اس نے سارے کا سارا اس لڑکی پر انڈیل دیا تھا جو خود قابلِ رحم اور قابلِ درد تھی..... اور وہ خود ترسی کا شکار تھا، وہ شکار ہوتی اور سہتی رہی۔

واقعی وہ کیوں مشقِ ستم بنی..... جب کہ اس نے اپنی ماں کو اس کے ظلم کے متعلق بتایا اور نہ اس نے اس کے سامنے زبان کھولی۔

پھر..... پھر! اس کا سانس گھٹنے لگا۔ درد کسی کا دل پر محسوس ہو تو درد دل کی آنکھ نم ہو جاتی ہے اور ..... وہ..... وہ کسی کب تھی۔ گھٹن بڑھ رہی تھی سانس رکنے لگا۔

وہ کہاں ہو گی، اس نے تو اسے چابیاں بھی نہیں دی تھیں اور پیسے..... پیسے اس کے پاس کہاں تھے۔ اس کے بارے میں کہاں سے پوچھے۔ پاکستان میں کس کو فون کرے۔

کہیں..... کہیں..... اک اضطراب اک بے چینی نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی زندگی کی ساری کشتیاں تو میں نے جلا دیں۔ زریاب علی رحمانی! کہیں، کہیں وہ زندگی بھی نہ ہار دے۔ اِدھر سے اُدھر وہ ٹہلنے لگا۔

کبھی کبھی ایک لمحہ..... ایک لمحہ بہت ہوتا ہے جو زندگی بدل دے، زندگی کی بازی الٹ دے، ہار دے، یا جتا دے۔ ایک لمحہ جو زندگی کو بھاری کر دے یا زندگی کو ہلکا کر دے۔ ذہن کی کھڑکیاں بند کر دے یا دل کی کھڑکیاں کھول دے اور چار صفحوں کے اس خط نے اس کی زندگی کی گرہ لمحہ بھر میں کھول کر اسے سوچنے سمجھنے کی سوجھ بوجھ عطا کر دی تھی۔ جس لڑکی کو بھرپور اذیت دی اب دل اسی کے لیے دھڑک رہا تھا۔ دھڑک نہیں بلکہ تڑپ رہا تھا تبھی سیل فون کی آواز نے اسے چونکایا۔ پاپا کی کال تھی۔

''ہیلو، برخوردار! کیسے ہو کدھر ہو، بہو کدھر ہے یار، وقت نکال کر آؤ کبھی۔'' زریاب کا سانس رکنے لگا۔

''چھ ماہ ہو گئے ہیں تم لوگوں سے ملے۔ پاکستان کب جا رہے ہو؟''

''جلدی جائیں گے۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ اس بار کی عید پاکستان میں کریں۔''

''مگر عید میں کافی دن ہیں ابھی۔''

''برخوردار..... جاتے جاتے ہی جائیں گے۔ کہاں ہے سمن بات کراؤ۔ آج بہت یاد آ رہی تھی، خوش تو ہو نا تم۔ کتنی اچھی ہے وہ۔'' پاپا کی آواز سے خوشی چھلک رہی تھی۔ زریاب کا حلق تک خشک ہونے لگا۔

''پا..... پا..... وہ باہر گئی ہے اپنی سہیلی کے ساتھ۔''

''جب آئے تو بات کرا دینا۔''

UrduPhoto.com

''اوکے۔''

اور سنو، پروگرام جلدی بناؤ بچوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں۔''

''جی..... جی۔'' فون بند ہو گیا۔ اس کا رکا ہوا سانس چلنے لگا۔

اسے کیا کرنا تھا۔ صوفے پر گرا۔ اسے فوری طور پر پاکستان جانا تھا اور اسے تلاش کرنا تھا۔ اس کا دل بے چین ہو رہا تھا۔

❋❋❋

اپنے گھر کے گیٹ پر کھڑے ہو کر اس نے دل سے دعا کی سمیعہ اسے ادھر ہی مل جائے۔ وہ ادھر ہی ہو کہیں نہ گئی ہو۔ گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا۔ اندر مالی اور اس کی بیوی کی رہائش تھی۔ ان کی غیر موجودگی میں ادھر رہتے تھے گھر کی حفاظت کرتے تھے۔ سارا لان سنسان اور خالی تھا۔ مئی، جون کی تیز دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ سارے درخت، پودے، پھول پتے سر جھکائے مؤدب کھڑے تھے۔ اس کی آنکھیں جلنے اور دل مسلنے لگا۔ روش، سیڑھیاں اور پھر کاریڈور پار کر کے اندر آ گیا۔ سامنے سے بسنتی آ رہی تھی۔

''صاحب آپ؟''

''ہاں، میں.....'' بغور اس کا جائزہ لیا۔ ''ٹھیک ہو تم؟''

''جی چھوٹے صاب۔''

''مالی بابا کدھر ہیں۔''

''وہ، وہ'' ایک دم سے گھبرا گئی۔ ''جی، بازار تک گیا ہے۔''

''اچھا آئیں..... تو میرے پاس بھیجنا۔'' اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

وہ ضرور یہاں آئی ہو گی۔ مالی بابا کو معلوم ہو گا۔ اگر نہیں آئی تو کہاں اسے تلاش کرے گا۔

اس سے بستر پر بیٹھا نہیں گیا۔ کمرے میں آ کر اے سی آن کیا۔ پردے کھینچ دیے مگر اس کا دل دن کے ساتھ ساتھ ڈوب رہا تھا۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ باہر گیا۔ نیچے اترا، دوسرے لمحے چونکا بسنتی باہر جا رہی تھی۔

''مالی بابا آئے؟''

''جی.....!'' اس نے شاپر ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا۔

''مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' دو دو سیڑھیاں پھلانگ کر اترا اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔

مالی با..... با.....!'' اس نے لان میں پکارا۔

''جی بیٹا!''

''اِدھر آئیں۔'' قریب بلایا۔

''جی.....'' قریب آ کر انہوں نے سر جھکا لیا۔ زریاب نے بھرپور جائزہ لیا۔

سمیعہ بی بی ادھر آئی تھیں، کہاں ہیں؟'' اندھیرے میں تیر چلا دیا۔

''وہ.....'' ایک دم سے گھبرائے اور ان کا گھبرانا اسے شناخت کر گیا۔

''آئی تھیں؟''

''جی.....!''

''کہاں ہیں وہ؟''

''ان کے بارے میں نہیں بتا سکتا انہوں نے قسم دی تھی۔''

''مجھے بتائیں، مالی بابا..... وہ بیمار تھی، میں نے غصے میں بھیج دیا۔ پلیز بتائیں.....''

''آپ نے کیوں بھیجا، اس بیماری میں یوں لاوارثوں کی طرح۔ ان کی حالت کتنی بری ہے۔''

''میں..... میں شرمندہ ہوں۔ مجھے بتائیں میں اسے لینے آیا ہوں۔'' بے تابیِ دل سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔''

''نہیں ہوتیں، میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔''

''آئیں!'' کچھ تذبذب سے سوچا اور ہاتھ بڑھا کر بسنتی کے ہاتھ سے شاپر لے لیا۔

''کہاں ہے؟'' ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''اسپتال میں۔''

''کیا ہوا ہے اسے؟'' اضطرابی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگا۔ مالی بابا نے ہاتھ بڑھا کر رکشا روکا۔ دونوں

بیٹھ گئے۔ اسے گاڑی نکالنے کا بھی ہوش نہیں رہا۔

''میرے پاس جب آئیں تو ان کی حالت بہت بری تھی۔ انہیں علاج کی ضرورت تھی، انہوں نے اپنا کچھ زیور مجھ سے بکوایا تاکہ علاج کروا سکیں۔'' زریاب کی آنکھوں میں مرچیں بھرنے لگیں۔

''مگر ایسے اسپتالوں میں علاج ہوتا کہاں ہے۔ انہیں کیا ہوا تھا کہ ایک دم سے وہ بہت بیمار ہوگئی ہیں۔'' زریاب کیا جواب دیتا۔ باہر دیکھنے لگا۔ کچھ فاصلہ طے کر کے رکشا رکا اور سامنے لگے بورڈ نے حواس باختہ کر دیا۔

''خیراتی اسپتال۔''

مالی بابا کے پیچھے چلتا اندر آ گیا۔

غریبوں، بیماروں کی بھرمار ایک رش۔ ہر کمرے میں مریض بھرے تھے۔ کاریڈور میں لیٹے تھے۔ ڈاکٹر چلتے پھرتے ان کا علاج کر رہے تھے، چیک کر رہے تھے۔ ایک کمرے کے دروازے سے مالی بابا اندر چلے گئے۔ گندگی، تعفن، بدبو...... زریاب کے قدم رک گئے وہ مالی بابا کو دیکھ رہا تھا۔ بڑا سا ہال کمرا تھا۔ زمین پر بستر ہی بستر تھے۔ ان پر کھانستی، کراہتی نیم جاں سی عورتیں پڑی تھیں۔ روتے، بلکتے بچے ان کے پاس تھے۔ کونے میں پڑے بستر کے پاس رک گئے۔ اس بستر کے پاس دو لیڈی ڈاکٹر اور نرس بیٹھی تھیں۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا تھا۔ ڈاکٹر اسے چیک کر رہی تھیں۔ زریاب ساکت رہ گیا۔ اتنی بری حالت۔ مالی بابا کو دیکھ کر انہوں نے سر اٹھایا۔

''کیا بات ہے بابا...... اس عورت کا کوئی نہیں ہے۔ شوہر، بھائی، باپ، ماں...... اسے علاج کی، دواؤں کی ضرورت ہے۔ صبح سے اس نے کچھ نہیں کھایا۔ یہ کھاتی کیوں نہیں ہے۔ مرنا چاہتی ہے تو گھر رہ کر مرے...... ہم پر کیوں الزام دھروائے گی۔'' ڈاکٹر کے بعد نرس بولنے لگی۔ زریاب کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ مل اونر علی اصغر کی بہو، زریاب علی کی بیوی اس قدر افلاس و بے بسی کی پوزیشن میں۔

''اس کی کھانسی نہیں رک رہی، اسے کہیں اور لے جاؤ۔'' دونوں کھڑی ہوگئیں۔ انہوں نے زریاب پر نگاہ ڈالی۔

''یہ کون ہے......'' دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''یہ......'' مالی بابا بول نہ سکے۔

''کیا ہوا ہے انہیں......؟''

''شدید قسم کے آلودہ آگ کی دھوئیں میں رہی ہے یہ۔ اس کے پھیپھڑے متاثر ہوئے ہیں۔ علاج نہ ہوا تو کینسر کے چانسز ہیں۔'' زریاب کے پاؤں زمین میں گڑ گئے۔ ''ابھی اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا ہے۔ یہ دوا بھی نہیں لیتی۔ کون ہو تم؟''

''میں بدنصیب، کم ظرف، میں کون ہوں۔'' میلی سی چادر سے اس کا وجود ڈھکا ہوا تھا۔ ماسک نے چہرہ چھپا لیا تھا۔ زریاب اس کے قریب جھکا۔

''یہ لڑکی......!'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

عورتیں دلچسپی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اگر اس کے رشتے دار ہو...... انسانی ہمدردی بھی رکھتے ہو تو اس کا علاج کروا دو، دعائیں دے گی تمہیں۔'' ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی۔ زریاب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کمزور، ناتواں، ہڈیاں ہی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ شکر ہے مل گئی تھی پہلے ہی قدم پر۔ قدرت کو بھی ان کا ساتھ منظور تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔ نازک، نفیس سی سمیعہ افتخار کس درجے کے تعفن میں پڑی تھی۔ نرس نے اسے آ کر چیک کیا اور آکسیجن ماسک ہٹا دیا۔ اس کی سانس غیر متوازن تھی۔

''میں انہیں لے کر جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور مالی کو ایمبولینس لانے کے لیے کہا اور جھک کر اس کا پھولوں سے بھی ہلکا وجود بازوؤں پر اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

''ڈاکٹر سے پوچھ لیں، ان سے مل لیں۔'' نرس کہہ رہی تھی۔ لب بھینچے، خود پر پشیمان زریاب علی نکلتا چلا گیا۔

❊❊❊

ہوش میں آنے پر خود کو مشینوں کے درمیان، صاف ستھرے بیڈ پر دیکھ کر حیران ہوئی۔ خود پر خواب کا

UrduPhoto.com

گمان ہوا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''آپ اسپتال میں ہیں۔''

''یہاں.....!'' اس کی آواز میں نقاہت تھی۔ اس کے بازو میں ڈرپ لگی تھی۔ اسے اپنی حالت پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔

''مالی..... بابا.....!'' تبھی نرس باہر نکلی اور بسنتی اندر آ گئی۔

''کیسی ہیں چھوٹی بی بی؟''

''بسنتی میں یہاں..... کیوں.....؟'' اس کی آواز ڈوب رہی تھی، کچھ ہونے کا گمان ہو رہا تھا۔

''ہم سے..... آپ کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ آپ کو شدید علاج کی ضرورت تھی ہم ادھر لے آئے، ہم ذمے دار ہوتے اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔''

''بسنتی.....'' اس کی پلکیں بھیگیں۔ ''میرا ذمے دار کوئی نہیں ہے اور میں اس قابل نہیں ہوں کہ اتنا مہنگا اسپتال افورڈ کر سکوں۔ مرنا ہی تو ہے، وہ خیراتی اسپتال ہی سہی۔ اب جینے کی امنگ کسے ہے۔ میرا تو کفن دفن بھی تم پر بھاری نہیں ہے۔ قبر کے لیے پیسے تمہیں دے دیے ہیں اور کچھ خرچ مت کرنا، کسی کو بتانا بھی مت..... بس.....!'' اس کی آنکھیں بند تھیں، لرزتے پپوٹوں پر نیلی رگیں نمایاں تھیں۔ احساسِ بے بسی سے آنسو پلکوں کے کناروں سے نکلتے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''میری کسی کو ضرورت نہیں ہے اور دوسروں کے لیے جینا..... میرے اندر حوصلہ ہے نہ ہمت۔ یہ سب ہٹوا دو میرے پاس سے، مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ وہ بہت شکستہ، رنجیدہ اور اداس تھی۔ بسنتی باہر نکل گئی۔ زریاب کھڑا رہا۔

اس کے لفظ گھاؤ لگا رہے تھے۔ دھیرے سے اس کے بالوں پر ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں تھے۔ دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہارا ساتھ چاہیے۔ تمہاری محبت نے چند گھنٹوں میں اتنا سفر طے کر لیا۔'' یوڈی کلون، پرفیوم اور آفٹر شیو لوشن کی مخصوص مہک اس کے بے حد قریب سے ابھری۔ چونک کر سر گھمایا اور آنکھیں کھول دیں۔ زندگی میں اس خوشبو کو ہی تو پہچانا تھا، جس نے بے حد درد دیے تھے۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' پیار سے سر سہلایا۔ اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔

''آپ.....؟''

''ہاں میں، زندگی کو تمہاری اور مجھے سمیعہ کی ضرورت ہے، اب تک کے ناروا سلوک پر تم سے معافی مانگتا ہوں۔'' اس کا ہاتھ اپنی ہتھیلیوں میں دبا کر ہاتھ جوڑے۔ وہ ساکت رہ گئی۔

''میں سزا کا مستحق غلطی پر تھا۔''

''مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ بعض غلطیوں کا کفارہ ممکن ہوتا ہے نہ ازالہ.....'' ہاتھ کھینچ لیا۔ ''اور آپ کو میرے بارے میں بتایا کس نے؟''

''میرے دل نے.....!'' اس کا ہاتھ دوبارہ تھام لیا۔ تبھی ڈاکٹرز اندر آ گئے۔ زریاب سائڈ پر ہو گیا۔ اس نے اپنے تعلقات اور پیسے کی بنیاد پر ڈاکٹرز کا بڑا اور تجربہ کار پینل بلوایا تھا۔

اس کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ بروقت علاج نہ ہوتا تو واقعی وہ پھیپھڑوں کے کینسر میں مبتلا ہو سکتی تھی۔ خوراک، توجہ اور میڈیسن سے اس کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ آج زریاب اس کے ہوش میں آنے پر سامنے آ گیا تھا۔ بڑی توجہ سے ڈاکٹرز کو چیک اپ کرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی فائلوں میں کچھ لکھ رہے تھے۔ آپس میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ سمیعہ کے چہرے پر اضطراب بڑھ رہا تھا۔ نرس نے اسے میڈیسن دیں اور وہ تھوڑی ہی دیر میں سو رہی تھی۔ زریاب اس کے قریب بیٹھا رہا۔

❋❋❋

''میں آپ کی زندگی سے نکل آئی ہوں بلکہ آپ نے نکال دیا ہے تو پھر دوبارہ میری زندگی میں آنے کا مقصد..... میری حیثیت، میری صلاحیت آپ کے قابل نہیں۔ میں آپ کی ذمے داری نہیں۔ آپ کسی کے جواب دہ نہیں پھر..... پھر کیوں اتنے پریشان

ہیں میرے لیے، جائیں یہاں سے۔''

زریاب کی توجہ اس کا دھیان اس کا پیار اسے شدید بے بسی میں مبتلا کر رہا تھا۔

''اگر ہم نے بچھڑنا ہوتا تو تم وہ خط کیوں چھوڑ کر آئی تھیں میری بھلائی کے لیے، میری آگہی کے لیے۔ اس ایک لمحے میں ایک خط نے مجھے نئی زندگی دے دی۔ اب میں تمہارے پیار میں بدلا ہوا شخص کہاں جاؤں؟'' اس کا ہاتھ تھام کر محبت آمیز انداز میں کہا۔

''دنیا بہت بڑی ہے اور میں بہت بری، بدکردار، بدفطرت۔''

''نہیں تم اچھی ہو اچھی تھیں۔ میں گمراہ تھا۔ کہا نا مجھے معاف کردو میری خضر حیات۔''

ناراضگی، خفگی، شکوہ اس کا حق تھا اور منانا اسے زندگی کی طرف لانا اس کا فرض اور جب دل کی زرد ٹہنی سے پھول بدگمانی کے جھڑ جائیں تو نئی کونپلیں محبت کی نوید لے کر آتی ہیں اور اسے بھی تو بہت عرصہ ہوا خود ساختہ آگ میں جلتے ہوئے۔ محبت کے آنگن کی اسے بھی ضرورت تھی، ایک ہی جذبوں کے ساتھ انسان زندگی نہیں گزار سکتا اور اتنی اچھی، نیک، پُروقار لڑکی اسے دوبارہ نہیں مل سکتی۔

''ایسا کیا ہے میرے اندر جو آپ بھاگے چلے آئے ہیں۔ وہی میں ہوں جو کل تھی۔''

''ایسا کیا ہے تمہارے اندر یہ تو مجھے نہیں معلوم، میرا بدلا ہوا آج تمہیں پکار رہا ہے۔ تمہارے ساتھ رہ کر اندازہ ہوگا کہ کیا ہے تمہارے اندر۔ ادھر بیٹھ جاؤں؟'' بیڈ کے کنارے پر اس کے پہلو میں ٹکا۔ ''بہت تھک گیا ہوں میں.....!'' اس کے لہجے میں جانے کیا تھا سمیعہ ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔ زریاب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ دھیرے سے اس کے قریب جھکا۔ زریاب کی سیاہ آنکھیں اس پر سایہ فگن تھیں۔ ان کی سطح بھیگ رہی تھی۔ سمیعہ کا دل بھر آیا۔

''میں بھی تو تھک گئی ہوں۔ میری تھکن کون سمیٹے گا؟'' سمیعہ کے آنسو کناروں سے نکلنے لگے۔ زریاب کے آنسو اس کے سینے پر گرنے لگے۔

''نفرتوں، کدورتوں کی آگ میں جل کر سمن..... بعض اوقات آگ ہماری نہیں ہوتی، ہم دوسروں کی لگائی ہوئی آگ میں بھسم ہو جاتے ہیں۔ آج میں سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے تمہاری امی تو بہت اچھی تھیں، اگر وہ بری ہوتیں تو اپنے جگر کا گوشہ میرے حوالے کیوں کرتیں۔ میں ہی غلطی پر تھا۔ سوتیلی ماں کی نفرت میں خواہ مخواہ جلتا رہا۔'' شدتِ گریہ سے سمیعہ نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ زریاب نے اس کا بازو ہٹایا اور اس کا سر شانے سے لگا لیا۔ وہ بھل بھل رو دی۔

''میری خضر حیات بس مجھے ادھر اُدھر اپنے دل میں اتنی سی جگہ دے دو، میں اپنی تھکن اتار لوں..... اور تمہاری زندگی سنوار دوں۔ شاہراہِ حیات پر گاڑی چل پڑے گی اور میں.....'' اس کی سپردگی اس کے آنسو اسے حیاتِ نو سنانے لگے۔ پیار سے انہیں سمیٹ لیا۔

''زندگی کا بھولا شام کو گھر آجائے نا؟'' دھیرے سے جھکا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں.....'' اس شخص کے لیے تو میں نے کبھی درِ دل بند ہی نہیں کیا تھا۔'' آنسو سمیٹ کر مسکرائی اور زریاب بھیگے مژگان اور دردِ دل پر نثار ہو گیا۔

بے حد سکون محسوس کرتے ہوئے سمیعہ نے آنکھیں موند لیں۔ اب اگرچہ انتقام لینے کی باری اس کی تھی مگر زندگی میں انتقام اور بدلہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ افہام و تفہیم کی راہ پر چل کر زندگی از سرِ نو شروع ہو سکتی ہے اور پھر اسے تو ہمیشہ زندگی کو از سرِ نو شروع کرنے کا اذن ملا تھا مگر اب نہیں..... دھیرے سے زریاب کے شانے پر سر ٹکا دیا۔ اب زندگی زریاب کے ساتھ ہی اور اس راستے سے ہی شروع ہو گی۔ زریاب نے اس تعاون پر اسے اپنی پناہ میں لے کر اپنے ہونے کا یقین دلا دیا۔

UrduPhoto.com